نور المصابیح

فخر العلماء والمحدثین واقفِ رموزِ شریعت ودین
حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی
مجددی قادری محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ

17

ناشر
ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، تاڑبن، بلارم روڈ، حیدرآباد، الہند
www.ziaislamic.com
zia.islamic@yahoo.co.in

16/149

باب بدء الخلق وذکر الأنبیاء علیھم الصلاة والسلام

مخلوق کی ابتداء کا بیان اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر

346/6878 حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ہم میں قیام فرما ہوئے اور ابتداء آفرینش سے متعلق یہاں تک کہ اہل جنت کے اپنے اپنے مقامات میں اور اہل دوزخ کے اپنے اپنے مقامات میں داخل ہونے تک ہم کو بتا دیا[1]۔ جس نے اس کو یاد رکھا وہ یاد رکھا اور جس نے اس کو بھولا وہ بھول گیا۔ (بخاری)

347/6879 حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اچانک قبیلہ بنی تمیم کی ایک جماعت آئی تو آپ نے فرمایا اے بنی تمیم تم خوشخبری قبول کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ نے ہم کو خوشخبری تو سنائی ہے ہم کو کچھ دے دیجئے[2]۔ یمن کے کچھ لوگ داخل ہوئے تو

---

1 **قولہ فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنة منازلھم الخ.** اور ابتداء آفرینش سے متعلق یہیں تک ہے کہ اہل جنت اپنے اپنے مقامات میں اور اہل دوزخ اپنے اپنے مقامات میں داخل ہونے تک ہم کو بتلا دیا۔ علامہ عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے مخلوقات کی ابتداء انتہاء اور زندگی سے متعلق تمام باتیں، احوال ایک ہی مجلس میں بیان فرمائے اور ایک ہی مجلس میں ان تمام باتوں کو بیان کر دینا آپ کے معجزات سے ہے اور یہ عظیم الشان معاملہ ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ بشرتنا فاعطنا الخ.** (آپ نے ہم کو خوشخبری تو سنائی ہے ہم کو کچھ دیجئے) علامہ عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا

آپ نے فرمایا اے اہل یمن تم خوشخبری قبول کرو جب کہ بنی تمیم قبول نہیں کئے ہیں تو انہوں نے کہا ہم قبول کرتے ہیں اور ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تا کہ دین کا علم حاصل کریں اور آپ سے یہ دریافت کریں کہ اس امر کی ابتداء کیا تھی[1] تو آپ نے فرمایا اللہ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا[2] پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (لوح محفوظ) میں

"**بشرتنا**" کے لفظ سے ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے مگر وہ دنیا کا ارادہ کئے اور آخرت سے غفلت برتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ہونا اور ان لوگوں کے خوشخبری کے قبول نہ کرنے کا ذکر فرمانا اس سے ان لوگوں کے علم کی اور قابلیت کی کمی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے فانی دنیا سے اپنی امیدوں کو وابستہ کیا اور دین کی تعلیم حاصل کرنے پر جو باقی رہنے والی آخرت کے ثواب کا موجب ہے دنیا کو مقدم کیا جبکہ کلمہ توحید اور مبدا و معاد کے حقائق کو دریافت کرنا، اس کو یاد رکھنا اور اس کے ضروری مسائل اور اس تک پہنچانے والے امور سے متعلق سوالات کا اہتمام کرنا ان کے لئے ضروری تھا۔ (مرقات)

1 **ولنسئلک من اول ھذا الامر.** (اور آپ سے دریافت کریں کہ اس امر کی ابتداء کیا تھی) اس سے مراد ابتداء آفرینش اور عالم کا آغاز ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ وکان عرشہ علی الماء.** یہ جملہ حالیہ نہیں ہے کہ معیت کا وہم پیدا ہو اور مقصد یہ ہے کہ دونوں مستقل طور پر موجود ہیں، یہ مستقل جملہ ہے۔ اس کا عطف یا تو پہلے جملہ پر ہے۔ یا اس میں "**واو**" "**ثم**" کے معنی میں ہے اور لفظ **کان** گزرے ہوئے زمانے کے لئے آیا ہے خواہ وہ ازلی ہو یا غیر ازلی ہو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی کو آسمانوں سے پہلے پیدا کیا گیا ہے، اور عرش کے پانی پر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عرش پانی کی پشت پر تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں تھی۔ (لمعات)

اور صاحب مرقات نے کہا ہے کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا **وکان عرشہ علی الماء، کا عطف کان اللہ ولم یکن قبلہ شی**ء کے پورے مجموعہ پر ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں اپنے اپنے اعتبار سے موجود ہیں اور ان

ہر چیز کو لکھ دیا[1] پھر میرے پاس ایک شخص آیا اور کہا اے عمر تم اپنی اونٹنی کو پکڑ و وہ جا چکی ہے تو میں اس کو تلاش کرنے چلا گیا۔ اور خدا کی قسم میں نے تو چاہا کہ وہ چلی جاتی اور میں نہ اٹھتا۔ (بخاری 348/6880) ﴿ حضرت ابو رزین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارا

کے درمیان ترتیب کیسی ہے یہ بات آپ کے ذہن کے حوالے ہے آپ اپنے ذہن سے اس کو سمجھ لیں اس میں **واو ثم** کے معنی میں ہے۔

علامہ عسقلانی نے فرمایا یہاں پانی سے سمندر کا پانی مراد نہیں ہے بلکہ وہ پانی مراد ہے جو عرش کے نیچے ہے اللہ نے جیسے چاہا و یسا ہے۔

علامہ ابن الملک نے کہا عرش پانی پر ہے اور پانی ہوا کی پشت پر ہے اور ہوا اللہ کی قدرت سے قائم ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ نے عرش اور پانی کو آسمانوں اور زمین سے پہلے پیدا کیا پھر پانی سے ان دونوں کو پیدا کیا اس طرح سے کہ اللہ نے پانی پر تجلی ڈالی اس میں تموج اور اضطراب پیدا ہوا اور اس سے جھاگ اٹھا اور وہ کعبہ شریفہ کے پاس جمع ہو گیا اسی لئے کعبہ شریف کا نام ام القری رکھا گیا۔ پھر اس کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی اور اس کے اوپر پہاڑوں کو ڈالا گیا تا کہ زمین ہلنے نہ لگے۔ اور پہاڑوں میں سب سے پہلا پہاڑ ایک قول کے مطابق جبل ابوقُبیس ہے پھر پانی کے تموج سے اوپر کی طرف دھواں اٹھا اس سے آسمان بنائے گئے۔ اجمالی طور پر اس کا بیان سورہ حٰم فُصِّلَتْ میں ہے اور اس کی تفصیل مفسرین کی کتابوں اور مورخین کی تاریخ میں ہے۔ **واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالاولین والآخرین.** (اولین وآخرین کو اللہ ہی خوب جانتا ہے)

[1] **قولہ وکتب الخ.** یعنی جو بھی ہونے والا تھا اس کو ذکر میں یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا اور راوی نے یہ جو کہا: **ثم اتانی** سے **ولم اقم** یعنی میں اس اونٹنی کی تلاش میں نہ اٹھتا تو اچھا تھا کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل یمن کے ساتھ باتچی گفتگو سننے سے رکاوٹ بن گئی۔ (مرقات)

رب اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا۔آپ نے فرمایا عماء(پردہ غیب)[1] میں تھا نہ اس کے

1 **قولہ کان فی عماء الخ.** عماء الف ممدوہ کے ساتھ ہلکے یا تہہ بہ تہہ کثیف بادل کو کہتے ہیں اور ایک روایت میں عمی میم کو زیر کے ساتھ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی ، اور یہ بھی قول ہے کہ وہ (یعنی عماء) ایک ایسی چیز ہے کہ اس کو انسانوں کی عقل پا نہیں سکتی اور کوئی بیان اس کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ اور نہ اُس کے نیچے ہوا تھی اور نہ اس کے اوپر۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور اس فرمان سے اس کے لئے کسی مکان کے واہمہ کو دور کرنا ہے کیونکہ عام طور پر جو بادل معروف ہے اس کا بغیر جگہ کے پایا جانا محال ہے۔

محدث ازہری نے فرمایا ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس کی کیفیت کے قائل نہیں ہیں (لمعات)

صاحب مرقات نے کہا کان فی عماء سے مراد اس کی ذات اس کے صفات کے مظاہر کا ظہور ہونے سے پہلے غیب الغیوب میں تھی۔ جیسا کہ اس نے اپنے اس قول سے بیان فرمایا ہے **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف** (میں کنز مخفی تھا چاہا کہ میری پہچان ہو جائے) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے **وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون.** میں نے جن اور انسان کو پیدا نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں یعنی معرفت حاصل کریں۔ اور حبر الامۃ (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی تفسیر **لیعرفون** اس پر دلالت کرتی ہے یعنی وہ میری معرفت حاصل کریں۔ شیخ علاء الدولہ نے اپنی کتاب العروۃ میں ذکر کیا کہ سب سے پہلے اس اپنے قول **کنت کنزا مخفیا** سے تجلی ذات کا ذکر کیا پھر اپنے قول **فاحببت ان اعرف** سے اپنی صفت احدیت کی تجلی پھر تیسرے نمبر پر اپنے قول **فخلقت الجن** سے صفت واحدیت کا بیان فرمایا۔

علامہ کاشی کی کتاب اصطلاحات صوفیہ میں ہے۔ ہمارے پاس ”عماء“ سے مراد ذات احدیت ہے کیونکہ اس کو سوائے اس کے کوئی نہیں جان سکتا وہ پردہ جلال میں ہے۔

حضرت عارف جامی نے اس حدیث شریف کی شرح کی ہے تم اس کی تحقیق چاہتے ہو تو وہ کتاب پڑھو۔ ہر جماعت اپنا مشرب جانتی ہے اور ہر طبقہ اپنے مذہب پر چلتا ہے اس کو دیار کھو۔

علامہ ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ علماء میں سے کوئی بھی عماء کی کیفیت نہیں جان سکتا اور **ماتحتہ ھواء وما فوقہ ھواء** میں

نیچے ہوا تھی نہ اس کے اوپر ہوا تھی اور اس نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یزید بن ہارون نے فرمایا عماء سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی۔

349/6881 ﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک فرمان لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے[1] اور یہ اس کے پاس عرش کے اوپر لکھا ہوا ہے۔ (متفق علیہ)

350/6882 ﴾ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما تھے کہ ایک بادل گزرا اور لوگوں نے اسکو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کا کیا نام رکھتے ہیں تو

دونوں جگہ **ما نافیہ** ہے سابقہ مضمون **کان اللہ ولم یکن معہ شیء**۔ اللہ تھا اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی کی طرف اشارہ ہے اس نہ ہونے سے مراد جسم سے پاک و منزہ ہونا ہے یہ سامع کے تقریب فہم کے لئے ہے۔ یزید بن ہارون جن کا قول مذکور ہے اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں جو امام ترمذی کے اساتذہ مشائخ میں سے ہیں۔

1 **قولہ ان رحمتی الخ.** (بے شک میری رحمت) **اِنَّ** کا ہمزہ زیر کے ساتھ ہو تو یہ بطور حکایت ہے اور زبر کے ساتھ ہو تو **کتاباً** سے بدل ہے۔ رحمت کے غالب ہونے اور سابق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے لئے اللہ کی رحمت کا حصہ ان کے حق میں غضب کے حصہ سے زیادہ ہے اور رحمت ان کو بغیر استحقاق بھی حاصل ہے، غضب صرف استحقاق کی صورت میں ہوتا ہے، دیکھو اللہ کی رحمت انسان کے شامل حال ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے دودھ پیتا ہے اور جب وہ دودھ چھوڑتا ہے اس کے بغیر کہ اس زمانہ میں اس سے کوئی اطاعت وفرمانبرداری ہوتی ہی نہیں جس کی وجہ سے وہ رحمت کا مستحق ہو سکے۔ اور غضب خداوندی تو صرف اس وقت لاحق ہوتا ہے جب اس سے خلاف ورزیاں صادر ہوتی ہیں۔ (مرقات)

انہوں نے عرض کیا یہ **سحاب** (ابر) ہے آپ نے فرمایا اور **مزن** تو عرض کئے **مزن** بھی پھر آپ نے فرمایا **عنان** تو عرض کئے **عنان** بھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو آسمان اور زمین کے درمیان کتنی مسافت ہے تو عرض کئے ہم نہیں جانتے آپ نے فرمایا ان دونوں کے درمیان[1] کی مسافت 71 یا 72 یا 73 سال کی مسافت ہے اور اس کے اوپر کا آسمان بھی اسی طرح ہے یہاں تک کہ آپ ساتوں آسمانوں کو شمار فرمایا پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے اس کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے، پھر اس کے اوپر آٹھ بکرے ہیں ان کے کھروں اور سرینوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے پھر[2] ان کی پشت پر عرش ہے اور اس کے نیچے اور اوپر کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے پھر اللہ اس کے اوپر ہے۔ (ترمذی ابوداؤد)

---

1 **قولہ اما واحدة و اما اثنتان و اما ثلاث وسبعون سنة .** (۷۱ یا ۷۲ یا ۷۳ سال) علامہ طیبی فرماتے ہیں حدیث شریف میں ستر (۷۰) سے کثرت مراد ہے حد بندی مراد نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے آسمان و زمین کے درمیان اور آسمان کے درمیان (۵۰۰) پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ یہاں حدیث شریف میں کثرت یعنی بہت زیادہ مراد ہے اور ایسے مقام کا تقاضہ بھی کثرت ہی ہوتا ہے۔

2 **ثم اللہ فوق ذلک .** (پھر اللہ اس کے اوپر ہے) علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کو سفلیات سے علویات کی طرف مشغول کرنا ہے اور آسمانوں کی حکومت اور عرش اعظم میں غور و فکر کریں پھر یہاں سے وہ ترقی کریں اپنے خالق و رزاق کی معرفت کی طرف اور بتوں کی عبادت سے نفرت کریں اور اللہ کے

351/6883 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے اس دوران کہ اچانک ان پر ایک بادل آیا[1] تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ عرض کئے اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ عنان (بادل) ہے یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں اللہ اس کو ایسی قوم کی طرف لے جارہا ہے جو نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اس سے دعا کرتے ہیں پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا

ساتھ کسی کو شریک نہ کریں جو ہر چیز کا مالک اور ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، آپ نے اولاً بادل سے غور وفکر میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ فرمایا پھر بادل سے اوپر آسمانوں اور اس سے اوپر سمندر اور اس سے اوپر ''اوعال'' جو حاملین عرش ہیں پھر عرش۔ اس میں غور وفکر کی دعوت دے کر مالک عرش تک پہنچایا، یہاں اللہ کا اس کے اوپر ہونے سے اللہ کی عظمت مراد ہے یعنی عظمت کی فوقیت مراد ہے مکانی فوقیت مراد نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اعلیٰ شان اور عظیم برہان والا ہے، ایک شارح نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا اس کی فرمانروائی، عظمت اور بلندی عرش اعظم سے بھی اوپر ہے۔ (مرقات)

1 **قولہ اذا اتی .** (یعنی بادل گزرا) اور **قولہ الی قوم لایشکرونہ ای بل یکفرونہ** (ایسی قوم کی طرف اس کو بھیجتا ہے جو اس کا شکر ادا نہیں کرتی بلکہ اس کا انکار کرتی اور کفر کرتی ہے) کیونکہ وہ بارش ہونے کی نسبت ستاروں سے ملنے، ان کے الگ ہونے، ان کے ڈوبنے اور نکلنے کی طرف کرتے ہیں اور کہتے ہیں **مطرنا بنوء کذا** فلاں نچھتر یا کارتی کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی۔ **ولایدعونہ** یعنی وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے اس سے دعائیں بھی نہیں کرتے اور اس کی عبادت بھی نہیں کرتے بلکہ وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے باوجود اللہ اپنے عام کرم کی وجہ سے دیگر تمام مخلوقات کی طرح ان کو بھی رزق دیتا اور عافیت عطاء کرتا ہے **قولہ الرفیع**. رفیع آسمان دنیا کا نام ہے۔ **قولہ موج مکفوف** یعنی وہ موج گرنے سے روک دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر گرنے سے اس کو محفوظ کردیا ہے وہ بغیر کسی سہارے کے موج مکفوف کی طرح لٹکا ہوا اور معلق ہے۔ (مرقات)

ہے؟ تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ رفیع ہے یعنی آسمان ہے محفوظ چھت ہے اور ایک روکی ہوئی موج ہے پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ وہ عرض کئے اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو (۵۰۰) سال کا فاصلہ ہے پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ وہ عرض کئے اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا دو آسمانوں کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے، پھر آپ نے اسی طرح فرمایا یہاں تک کہ آپ ساتوں آسمان گنائے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان اسی قدر فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ تو وہ عرض کئے اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس کے اوپر عرش ہے اور اس کے درمیان اور آسمان کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ زمین ہے پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو اس کے نیچے کیا ہے انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس کے نیچے ایک دوسری زمین ہے ان دونوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے یہاں تک کہ آپ نے سات زمین گنائے ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت

میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اگر تم ایک رسی سب سے نچلی زمین کی طرف چھوڑو تو وہ اللہ (کے علم) پر ہی گرے گی[1] پھر آپ نے قراءت فرمائی **ھو الاول والا خر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم** وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (احمد، ترمذی)

اور امام ترمذی نے فرمایا[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کو تلاوت فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ **لھبط عل اللہ** (وہ اللہ پر ہی گرے گی) سے آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم، اسکی قدرت اور اسکی سلطنت پر گرے گی، اللہ کا علم، اسکی قدرت اور اسکی سلطنت ہر جگہ ہے اور جیسا اس نے اپنی کتاب میں اپنی صفت بیان فرمائی ہے عرش پر ہے۔

1 **قولہ لھبط علی اللہ .** (یعنی اللہ کے علم وقدرت پر گرے گی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اسی طرح وضاحت کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت سے تمام سفلیات (نیچے کے عوالم) کو ایسا ہی احاطہ کیا ہوا ہے جیسا وہ ملکوت کے علویات (عوالم بالا) کا احاطہ کیا ہوا ہے، آپ کا یہ فرمان اس لئے ہے کہ کسی کم فہم کو یہ خلجان اور خیال نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعلم صرف عالم بالا پر ہی ہے عالم اسفل پر نہیں ہے اسی لئے کہا جاتا ہے حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کی معراج مچھلی کے پیٹ میں ہوئی جیسا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج آسمانوں کے اوپر ہوئی، ہر جگہ اللہ ہی کا کرم ہے ظاہری تقرب الٰہی ہر ایک کو برابر حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں سے اپنے قرب کے بارے میں اس ارشاد میں بتایا ہے **ونحن اقرب الیہ من حبل الورید،** ہم ان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں، البتہ قرب معنوی عطائی شرافت وکرامت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے، قرب فرائض اور قرب نوافل وغیرہ اسی میں داخل ہیں یہ اپنی جگہ ثابت شدہ چیز ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ وقال الترمذی الخ .** (امام ترمذی کے اس قول میں اس بات کا بیان ہے **ھبط علی اللہ** کی یہ مذکورہ تاویل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد **علی العرش استوی** کے علم کو اللہ تعالیٰ کے تفویض کرنا اور تاویل سے رک جانا

352/6884 ﴿ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے فرشتوں میں سے جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں مجھے ان میں سے ایک فرشتے سے متعلق بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس کے دونوں کانوں کی دو لولیوں سے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا ہے۔ (ابوداؤد)

353/6885 ﴿ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کیا: جانیں مشقت میں پڑ گئیں، بال بچے بھوکے ہوگئے، مال و دولت برباد ہوگئے اور جانور ہلاک ہوگئے آپ ہمارے لئے اللہ سے بارش طلب فرمائیں اور ہم آپ کو اللہ کے پاس شفیع بناتے ہیں، اور اللہ کو آپ کے پاس شفیع بناتے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ آپ مسلسل سبحان اللہ فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ چیز آپ کے صحابہ کے چہروں میں پہچانی گئی پھر آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر، اللہ کو کسی کے پاس شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ کی شان بڑی ہے، افسوس تجھ پر، کیا تو جانتا ہے اللہ کی شان کیا ہے؟ اس کا عرش اس کے آسمانوں کے اوپر اس طرح ہے[1] اور آپ نے اپنی انگشتہائے مبارک سے اس پر گنبد کی طرح اشارہ فرمایا اور یقیناً وہ کجاوہ کے سوار کی وجہ سے چر چرانے کی طرح چر چرا رہا ہے۔ (ابوداؤد)

ضروری ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض خلاف ظاہر باتوں کو تاویل کی ضرورت ہے اور ان میں سے بعض میں غور و خوض کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (مرقات)

1 **قولہ لهكذا** میں لام ابتدائیہ ہے لام کے زبر کے ساتھ جو ان ' کی خبر پر حکم کی تاکید کیلئے داخل ہوا ہے، **قولہ وقال باصابعه**

354/6886 امام ترمذی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے عافیت عطا فرمائے آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہو تو تم صبر کرلو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، انہوں نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں تو وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کو حکم دیا کہ وضو کریں اور اچھی طرح وضوء کرکے یہ دعا کریں: **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ.** اے اللہ[1] میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیرے حضور میں تیرے نبی حضرت محمد (ﷺ) نبی رحمت کے وسیلے سے مانگتا ہوں۔ یا رسول اللہ میں آپکے وسیلے سے میرے رب

کے معنی: اپنی انگشتہائے مبارک سے اشارہ فرمایا، آپ کا یہ عمل مبارک آپ کے فرمان **مثل القبلۃ** کا بیان ہے۔

1 **اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک الخ** . (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیرے نبی کے واسطے سے تیری جناب میں متوجہ ہوں) علامہ مناوی نے اس حدیث **اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ** سے متعلق فرمایا ہے کہ اللہ کی جناب میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی قسم کھائی جاسکتی ہے اور کسی دوسرے کی قسم نہیں کھائی جاسکتی، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے اور علامہ سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا رب تعالیٰ کی جناب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لینا مستحسن اور بہتر ہے، متقدمین ومتاخرین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا سوائے علامہ ابن تیمیہ کے، انہوں نے ایک ایسی بدعت (نئی بات) نکالی جس کو ان سے پہلے علماء میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اور علامہ ابن امیر حاج نے اس کے حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کے دعوی پر بحث کی اور منیہ کی شرح کی تیرھویں فصل میں اس پر طویل گفتگو کی ہے تم اس کو دیکھو۔ (ردالمحتار)

کے حضور میری اس ضرورت کے لئے حاضر ہوں تا کہ میری یہ ضرورت پوری ہو، اے اللہ آپ کی شفاعت کو میرے حق میں تو قبول فرما۔ (ہٰذا حدیث حسن صحیح غریب)

امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ اور اس کے شروع میں ایک قصہ بیان فرمایا ہے، امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب "صحیح" میں اور امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اور امام بیہقی نے بھی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، 355/6887 اور امام نسائی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ) ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے لئے میری بینائی عطا کردے، آپ نے فرمایا: کیا میں تمہارے حق میں دعا کروں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بینائی کا جانا میرے لئے گراں ہوگیا ہے، آپ نے فرمایا تو تم جاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت نماز ادا کرو، اس کے بعد دعا کرو! "اللهم انى اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه الى ربى بك ان تكشف لى عن بصرى اللهم شفعه فىّ وشفعنى فى نفسى" اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، اور تیری جناب میں تیرے نبی حضرت محمد نبی رحمت کا وسیلہ لیکر آتا ہوں، اے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں میرے رب کی جناب میں آپ کا وسیلہ لیکر متوجہ ہوتا ہوں کہ آپ میری بینائی عطا کردیں، اے اللہ تو حضور کی سفارش کو میرے حق

میں قبول فرما، وہ شخص واپس ہوا تو اس حالت میں واپس ہوا کہ اللہ تعالی نے اس کو بینائی عطا کردی۔

356/6888 ﴾ حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا[1] ہے تو جبریل کانپ گئے اور عرض کئے: آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر حجابات ہیں، اگر ان میں سے کسی کے بھی قریب ہو جاؤں تو میں جل جاؤں گا (مصابیح میں اسی طرح ہے) اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے **فانتفض جبریل** (جبریل کانپ گئے) کا ذکر نہیں کیا۔ (ابونعیم)

357/6889 ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالی[2] نے حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا وہ اپنی پیدائش کے دن سے اپنے دونوں

---

1 **قولہ هل رایت ربک** (کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے) اس حدیث شریف میں اس امر کی دلیل ہے کہ رب تعالی کو دارالبقا (آخرت) میں حقیقت میں دیکھا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر یہ محال ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سوال نہ فرماتے لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ فرشتے رب تعالی کو دیکھتے ہیں یا نہیں۔ پھر جب رب تعالی کا دیدار کرنا اس کے قرب پر دلالت کرتا ہے تو جبریل امین ہیبت کے مارے کانپ گئے۔ اور **(وقولہ ان بینی وبینہ سبعین حجابا من نور)** میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ ایک شارح نے فرمایا کہ اس سے اللہ تعالی کا کمال اور جبریل کا عجز مراد ہے اور حجاب جبریل کی طرف سے ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ ان اللہ خلق اسرافیل منذ یوم خلقہ صافا قدمیہ** (اللہ تعالی حضرت اسرافیل کو پیدا کیا وہ اپنی پیدائش کے دن سے ہی اپنے دونوں قدموں کو جمائے ہوئے کھڑے ہیں) مطلب یہ ہے اسرافیل علیہ السلام اپنی

قدموں کو جمائے کھڑے ہیں اور اپنی نگاہ نہیں اٹھاتے، ان کے اور رب تعالیٰ کے درمیان ستر نور ہیں اور وہ ان میں سے کسی بھی نور کے قریب جائیں گے تو ضرور جل جائیں گے۔ (امام ترمذی نے اس کو روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے)

358/6890 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا[1] اور اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا، اور درخت پیر کے دن پیدا کیا اور ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور نور کو چہار شنبہ کے دن پیدا کیا اور اس میں جانوروں کو جمعرات کے دن پھیلادیا اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد ساری مخلوق کے آخر میں دن کی آخری گھڑی عصر سے رات تک کے درمیان[2] پیدا کیا۔ (مسلم)

پیدائش کے روز اول سے اپنے دونوں قدموں کو جمائے کھڑے ہیں، اپنی نگاہ اوپر یعنی آسمان کی طرف ادب کے مارے اوپر نہیں اٹھاتے یا خوف کے مارے اپنی نظر لوح محفوظ سے نہیں ہٹاتے، اور **سبعون نورا** سے انوار حجاب مراد ہیں۔ (مرقات)

1 **قولہ خلق اللہ التربۃ یوم السبت** (اللہ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا کیا) ہفتہ کے دن کا آخری وقت مراد ہے جس کو اتوار کی شام کہا جاتا ہے اس کو اسی اتوار کا حکم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف نہیں ہے **ولقد خلقنا السموات والارض ومابینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب** (اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو چھ (٦) دن میں پیدا کیا اور ہمیں تکان نہ پہونچی۔ (مرقات)

2 **قولہ فیما بین العصر الی اللیل** (عصر سے رات تک کے درمیان) جمعہ کے دن کی یہ گھڑی اکثر ائمہ کے پاس دعا کی قبولیت کی گھڑی ہے۔ (مرقات) اور صاحب درمختار نے کہا کہ قبولیت دعا کی گھڑی عصر کا وقت ہے اور

359/6891 ﴿ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں آپ نے فرمایا: فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جنات[1] آگ کے شعلے سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام (مٹی) سے پیدا کئے گئے ہیں جو تم سے (قرآن مجید میں) بیان کیا گیا ہے۔ مسلم

360/6892 ﴿ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم علیہ السلام کی لمبائی ساٹھ (۶۰) ہاتھ اور چوڑائی سات (۷) ہاتھ ہے۔ (احمد)

361/6893 ﴿ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتوں نے کہا اے پروردگار آپ نے ان کو پیدا کیا یہ تو کھاتے ہیں پیتے ہیں، اور شادی بیاہ کرتے اور سواری کرتے ہیں آپ ان کیلئے دنیا کر دیجئے

مشائخ کرام کا یہی مذہب ہے۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ)

1 **خلق الجان من مارج** (جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا) حکیم ترمذی نے اور ابن ابی الدنیا نے کتاب مکائد الشیطان میں اور امام الشیخ نے العظمۃ میں اور ابن مردویہ نے، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے تین قسم کے جنات پیدا کئے ہیں (۱) ایک قسم سانپ، بچھو اور زمین کے کیڑے مکوڑے ہیں۔ (۲) ایک قسم فضاء میں ہوا کی طرح ہے (۳) اور ایک قسم وہ ہے کہ ان کا حساب و کتاب اور سزا و جزاء ہے اور اللہ نے انسان بھی تین قسم کے پیدا کئے ہیں، (۱) ایک قسم ایسی ہے جیسے جانور اور چوپائے (۲) اور ایک قسم وہ ہے کہ ان کے جسم انسانوں کے جسم ہیں اور ان کی روحیں شیطانوں کی ہیں (۳) اور ایک قسم اللہ کے سایہ قرب میں رہنے والی ہے جس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ آپ کا فرمان ایک قسم وہ ہے کہ ان کا حساب اور سزا ہے، میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ جنات کے ثواب کے بارے میں توقف ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.** (مرقات)

اور ہمارے لئے آخرت کر دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو میں اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہوں اور اس میں اپنی روح پھونکا ہوں اس کو ان کے جیسا نہیں کروں گا[1] جن کو میں نے ''کن'' ہوجا کہا تو وہ ہوگیا۔ (بیہقی شعب الایمان)

362/6894 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] **قولہ لا اَجْعَلُ الخ** (ان کے جیسا نہ کروں گا) علامہ ابن الملک نے کہا کہ بشر اور فرشتے دونوں بزرگی اور تقرب میں برابر نہیں ہوسکتے بلکہ بشر کی بزرگی اور کرامت زیادہ ہے اور اس کا مرتبہ بھی بلند ہے، انسان کی فرشتوں پر فضیلت سے متعلق اہل سنت منجملہ اور دلائل کے مذکورہ دلیل سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ (مرقات)
اور صاحب شرح عقائد نسفیہ نے کہا انسانوں میں جو رسول بھیجے گئے ہیں وہ فرشتوں میں کے فرستادہ فرشتوں سے افضل ہیں اور فرستادہ فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں کے فرستادہ عام انسانوں سے افضل ہیں یہ تو اجماع ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے، اب رہا انسانوں کے رسولوں کا فرستادہ فرشتوں سے افضل ہونا اور عام انسانوں کا عام فرشتوں سے افضل ہونا اس کے مختلف وجوہ ہیں (۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو ان کی تعظیم وتکریم کے لئے سجدہ کریں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے جس میں شیطان کے قول کی حکایت ہے **ارأیتک ھذا الذی کرمت علی، وانا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین** (آپ بتائیے یہ وہ ہیں جن کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اور میں ان سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور انہیں مٹی سے پیدا کیا) اور حکمت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ادنیٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ کو سجدہ کرے نہ کہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ''**وعلم آدم الاسماء کلھا** آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے'' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہر زبان داں سمجھ سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر فضیلت اور ان سے علم میں زیادہ ہونا اور مستحق تعظیم وتکریم ہونے کا بیان مقصود ہے۔

ارشاد فرمایا[1] مومن اللہ کے پاس بعض فرشتوں سے بھی افضل ہے۔ (ابن ماجہ)

اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد **ان اللہ اصطفی آدم ونوحا وآل ابراھیم وآل عمران علی العلمین** (بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) کو سارے جہاں سے اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل کو اور عمران کی آل کو سارے جہان سے)

اور فرشتے عالمین میں داخل ہیں لیکن اس میں سے عام انسانوں کی فرستادہ فرشتوں پر فضیلت کو اجماع کے ذریعہ خارج کردیا گیا۔ ان کے علاوہ ماتحی سب اس میں شامل و داخل ہیں اور یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اس کے لئے دلائل ظنیہ کافی ہوجاتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ انسان کبھی خواہشات نفس اور غصہ جیسے رکاوٹیں اور موانع ہونے کے باوجود اور کمالات کے حصول سے غافل کرنے والی ضروری حوائج درپیش ہونے کے ساتھ ساتھ فضائل اور علمی وعملی کمالات حاصل کرلیتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ساری رکاوٹوں اور موانع کے ساتھ عبادت کرتے رہنا اور کمال حاصل کرنا نہایت مشکل اور اخلاص والا کام ہے اور اس وجہ سے انسان افضل قرار پاتا ہے۔

اور معتزلہ، فلاسفہ اور بعض اشاعرہ ان کے بعض دلائل کے ذریعہ فرشتوں کی فضیلت کے قائل ہیں علماء اہل سنت نے فرشتوں کی فضیلت سے متعلق ان کے دعویٰ پر کئی ایک جوابات دئے ہیں اس کی تفصیلات شرح عقائد نسفیہ میں موجود ہیں۔ (والتفصیل مذکور فی شرح العقائد النسفیہ فلیراجع)

1 **المومن.** یعنی مومن کامل جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ کے پاس بعض ان فرشتوں سے بھی افضل ہیں جو خاص یا عام فرشتوں میں سے منتخب فرشتے ہیں۔

علامہ طیبی نے فرمایا مومن سے عام مومنین اور بعض فرشتوں سے بھی عام فرشتے مراد ہیں اور امام محی السنہ رحمہ اللہ نے اللہ کے ارشاد **ولقد کرمنا بنی آدم** (اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی) کی تفسیر میں فرمایا: مناسب بات یہ ہے کہ عام مومنین عام فرشتوں سے افضل ہیں اور خاص مومنین خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ** (یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہیں وہ مخلوق میں سب سے اچھے ہیں) اس آیت سے اہل سنت استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ (مرقات)

363/6895 ﴿ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب اللہ تعالی جنت میں آدم علیہ السلام کی صورت[1] بنایا جب تک ان کو چھوڑے رکھنا چاہا چھوڑے رکھا،

[1] **قولہ لما صور اللہ آدم فی الجنۃ** (اللہ نے جنت میں آدم کی صورت بنایا اور جب تک ان کو چھوڑے رکھنا چاہا جنت میں چھوڑے رکھا علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل سمجھتا ہوں۔ قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام زمین کے اجزاء سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (قرآن مجید کی آیت **قلنا یـآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ** (اور ہم نے فرمایا اے آدم تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو) سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ جنت میں جس وقت داخل کیے گئے وہ بشر تھے اور حیات تھے۔ ایک شارح نے یہ فرمایا ہے کہ اس روایت میں جو "فی الجنۃ" جنت میں ان کی صورت بنائی گئی کے کلمات ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ کسی روای سے بھول ہوگئی ہو اس کو سننے میں ان سے تسامح ہوا ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا بکثرت احادیث ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے سطح زمین کی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس کو اس قدر خمیر دی گئی کہ وہ گیلی مٹی بن گئی اس کو اس قدر چھوڑ رکھا گیا کہ وہ صلصال (کھنکھناتی مٹی) مٹی بن گئی اور مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان وادی نعمان کے بیچ اس کو ڈال دیا گیا اور یہ عرفات کی وادیوں میں سے ہے۔ لیکن یہ جنت میں ان کی صورت بنانے والی روایت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زمین میں اس کی خمیر تیار کی گئی ہو اس کو زمین میں اس قدر چھوڑا رکھا گیا ہو کہ اس پر کئی اطوار گزرے ہوں وہ انسانی صورت بننے کے قابل ہوگئی ہو پھر اس کو جنت میں منتقل کیا جا کر اس کی صورت بنائی گئی اور اس میں جان ڈالی گئی ہو۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد **یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ**۔ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اس میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ ان میں جان ڈالنے کے بعد جنت میں داخل کیے گئے کیونکہ اسکن کے حکم سے مراد قرار پانا اور جمے رہنا ہے اور ضروری نہیں کہ قرار پانے کا حکم جنت میں جانے سے پہلے دیا گیا ہو۔

جب کہ بکثرت روایات جو اس امر کی دلیل ہیں کہ حوا علیہا السلام کو جنت میں آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا اور حوا علیہا

پس شیطان ان کے اطراف چکر لگانے لگا دیکھتا جاتا کیا چیز ہے[1]۔ جب ان کے اندر خالی دیکھا تو سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی جو اپنے اوپر قابو نہیں رکھے گی۔ (مسلم)

364/6896 حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسے پیغمبر پہلے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدم علیہ السلام، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نبی تھے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں وہ کلام والے ہی ہیں[2]میں نے عرض کیا یا رسول اللہ رسول کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تین سو دس پر کچھ زیادہ ہیں جو بڑی جماعت ہے۔

السلام کو (جنت میں رہنے کا) حکم ملا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا مادہ یعنی ان کا بدن عالم سفلی سے ہو اور ان کی وہ صورت جس کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہیں اور اس کی وجہ سے فرشتوں سے مشابہت رکھتے ہیں، عالم علوی سے ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام کے مادہ کی نسبت زمین کی طرف کی کیوں کہ وہ اسی سے بنائے گئے اور آپ کی صورت کی نسبت جنت کی طرف کی کیونکہ وہ صورت میں بنی ہے۔ (مرقات)

1 **قولہ ینظر ماھو.** (دیکھتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے) یہ بیان یا حال ہے یعنی اس کے انجام کے بارے میں غور کرتا ہے کہ اس سے کیا چیز ظاہر ہوگی۔ **فلما رآہ اجوف** (جب وہ اسکو اندر سے خالی دیکھا) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اجوف انسان کی صفت میں اللہ کی صفت صمد کے مقابل ہے۔ علامہ سید نے فرمایا اللہ کی صفت صمد ہے اس لے کہ ضرورتوں میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور مقاصد میں اسی کا ارادہ کیا جاتا ہے، تو انسان اپنی ضرورتوں کی تکمیل میں دوسرے کا محتاج ہے، اسی طرح پیٹ بھرنے کے لئے کھانے اور پانی کا محتاج ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے ظاہر و باطن میں کسی ایک چیز پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کا معاملہ الٹ پلٹ ہوتا ہے اور اس کی حالت بدلتی رہتی ہے اور وہ آفات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

2 **قولہ نبی مکلم.** یعنی صرف نبی ہی نہیں بلکہ نبی مکلم تھے ان پر صحیفے نازل ہوئے۔ (مرقات)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نبیوں کی پوری تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ[1] چوبیس ہزار ہیں ان میں رسول کی تین سو پندرہ کی بڑی جماعت ہے۔ (احمد)

365/6897 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے نبی حضرت ابراہیم نے جب وہ اسی (۸۰) سال کے تھے مقام ''قدوم'' میں بسولہ سے اپنی ختنہ کی۔ (بخاری ومسلم)

366/6898 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کبھی خلاف واقعہ نہیں کہے[2] سوائے تین واقعات کے

---

[1] **قولہ مائۃ الف واربعۃ وعشرون الفا الخ** (ایک لاکھ چوبیس ہزار) اس حدیث شریف میں جو عدد آیا ہے اگرچیکہ صراحت سے ہے لیکن قطعی عدد نہیں، اس لئے بغیر کے اجمالی طور پر تمام انبیاء ورسل علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے تاکہ کوئی نبی چھوٹ نہ جائے اور غیر نبی ان میں داخل نہ ہونے پائے۔ (مرقات، اورشرح عقائد نسفیہ)

[2] **قولہ لکم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات** (حضرت ابراہیم علیہ السلام خلاف واقعہ نہیں کہے سوائے تین واقعات کے) تین واقعات کو بطور حصر کے ذکر کرنے پر امام مسلم کی اس روایت کی وجہ سے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کے بارے میں **ھذا ربی** فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ واقعہ آپ کے بچپن کے زمانہ کا ہے وہ زمانہ میں احکام متعلق نہیں ہوئے یا اس سے مقصود قوم کو ڈانٹنے اور قائل کرانے کے لئے سوال کرنا تھا۔

امام مازری نے فرمایا ہے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، اللہ کے احکام کے پہنچانے میں ان سے چھوٹی بڑی کسی قسم کی کوئی غلط بیانی نہیں ہوتی۔ ان سے اس طرح کی کوئی بات کا صادر ہونا جائز ہوتا تو ان کی باتوں پر سے اعتماد اٹھ جاتا

کیونکہ منصب نبوت اس سے بلند اور پاک ہے۔

اب رہا تبلیغ احکام سے جو چیز متعلق نہیں ہے اور وہ صغائر میں سے ہو جیسے امور دنیا میں سے کوئی نہایت چھوٹی و معمولی خلاف واقعہ بات ان سے اس کا وقوع ممکن ہونے اور اس میں بھی ان کے معصوم ہونے میں سلف وخلف کے دو قول مشہور ہیں: قاضی عیاض نے فرمایا صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جھوٹ مطلق صادر نہیں ہوتی۔ اب رہے مذکورہ باتیں در حقیقت وہ کذب نہیں ہیں بلکہ سامع کے فہم کے اعتبار سے بظاہر کذب معلوم ہو رہا ہے، میں کہتا ہوں ہمارے علماء میں سے بعض شارحین نے اسی طرح کی بات کہی ہے دراصل اس کا نام کذب اس لئے رکھا گیا کہ وہ معاریض وکنایات میں سے ہیں کیونکہ حق کے معاملہ میں بطور کنایہ بات کرنے سے انبیاء علیہم السلام کی شان بالاتر ہے تو یہ بات ان حضرات کے حق میں اس درجہ کی ہے جس طرح دوسروں کے حق میں جھوٹ بات ہے یا اس لئے کہ اس میں جھوٹ کی صورت نظر آ رہی ہے لہٰذا اس کو کذب کا نام دیا گیا۔

اور علامہ اکمل نے کتاب شرح المشارق میں فرمایا اس میں حقیقی طور پر جھوٹ کا بھی احتمال ہے کیونکہ **لم یکذب ابراھیم الاثلاث کذبات** نفی سے استثناء کرنا اثبات ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عذر کی ضرورت ہوگی کیونکہ اصلاح کے لئے جب جھوٹ جائز ہے، تو تمہارا کیا خیال ہے جب کہ ظالموں کو ظلم کو دور کرنے کے لئے ضرورت ہو۔ اور علامہ ابن ملک فرماتے ہیں اس میں جھوٹ کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو میں **لی وقولی** قرینہ موجود ہے کہ یہاں اس کے مجازی معنی مراد ہے ظاہری معنی مراد نہیں۔ کیا یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ آپ کے منجملہ کذبات میں سے ایک یہ ہے حضرت سارہ کے لئے آپ نے فرمایا **انک اختی فی الاسلام** (تم میری اسلامی بہن ہو) آپ کے قول میں فی الاسلام کا لفظ قرینہ ہے کہ یہاں نسبی بہن مراد نہیں ہے اور آپ کا یہ ارشاد **بل فعلہ کبیرھم** (بلکہ اسکو ان کا بڑا کیا ہے) جمادات سے کسی کام کا صادر ہونا محال ہے اور یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ اس میں تاویل ہے یا یہاں مجازی معنی مراد ہیں لہٰذا یہ جھوٹ نہیں ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں ایک قول یہ بھی ہے کہ **بل فعلہ** پر وقف ہے اور کبیرھم ھذا نیا جملہ ہے (مرقات)

اور صاحب در مختار نے فرمایا اپنے حق کے لئے اور اپنے اوپر ظلم کو روکنے کے لئے جھوٹ جائز ہے اس سے مراد تعریض

ان میں سے دو تو اللہ کی ذات کے بارے میں تھے[1] کہ میں بیمار ہوں اور آپ کا یہ فرمان بلکہ اس کام کو ان کا یہ بڑا کیا ہے (بڑے بت کی طرف اشارہ ہے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[2] وہ اور حضرت سارہ ایک دن جا رہے تھے کہ ظالموں میں سے ایک ظالم کے پاس سے گزر ہوا تو اس ظالم سے کہا گیا کہ یہاں ایک

یعنی (کنایہ و توریہ) ہے کیونکہ حقیقی کذب حرام ہے اور فرمایا یہی بات حق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **قتل الخراصون** (اندازہ سے جھوٹ کہنے والے ہلاک ہو گئے) یہ سارا مضمون مجمع سے ماخوذ ہے)

1 **اثنتین منهن فی ذات الله.** یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے۔ ایک شارح نے اسکی وضاحت میں کہا کہ اس سے اللہ کے حکم اور اس سے مختص امور کے بارے میں مراد ہے کیونکہ اس میں خود ابراہیم علیہ السلام کی کوئی حاجت نہیں تھی اس لئے کہ آپ نے اپنی پہلی بات سے ارادہ کیا تھا اس عذر کی بنیاد پر قوم سے پیچھے رہیں اور پھر بتوں کے ساتھ وہ عمل کریں جو آپ نے کیا۔

اور دوسری بات سے آپ کا مقصد ان پر دلیل و حجت قائم کرنا تھا کہ وہ گمراہ ہیں، بیوقوف ہیں اس چیز کی عبادت کر رہے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں ذات سے پہلے مضاف محذوف ہوسکتا ہے فی کلام ذات اللہ یعنی مذکورہ یہ دو کلام اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق گفتگو کے بارے میں ہیں اور تیسری بات ''وہ میری بہن ہے'' حضرت سارہ سے متعلق ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اور یہ (تیسری بات بھی) اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہے کیونکہ وہ بات ظالم کافر کو بہت بڑے فحش کام سے روکنے کا سبب ہی تو ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں اور صرف دو کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں خصوصیت سے ذکر کیا گیا اس لئے کہ وہ دو تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کے بارے میں ہیں تیسرے میں خود آپ کے لئے فائدہ ہے اور آپ کی زوجہ کی حفاظت بھی ہے۔ (مرقات)

2 **قوله وقال.** یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بات سے متعلق فرمایا جو آپ نے فرمایا کہ ''یہ میری بہن ہے'' اس سے مراد اسلامی بہن مراد ہے۔

صاحب ہیں اور ان کے ساتھ ایک خاتون ہے جو تمام انسانوں میں بہت خوبصورت ہے تو وہ آپ کو بلا بھیجا اور خاتون کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے آپ نے فرمایا میری بہن ہے تو آپ حضرت سارہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا یہ ظالم اگر یہ جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تمہارے تعلق سے مجھ پر غلبہ کرے گا، اگر وہ تم سے پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو، کیونکہ تم میری اسلامی بہن ہو، سطح زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے[1] پس وہ سارہ کو بلا بھیجا اور ان کو لایا گیا اور ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ پس جب حضرت سارہ اس کے پاس پہنچیں تو اپنے

---

1 **قولہ لیس علی وجہ الارض مومن غیری وغیرک.** (روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے) اس میں ایک اشکال یہ ہے کہ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ایمان میں ان دونوں کے ساتھ شریک تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فآمن لہ لوط.** پس اس پر لوط ایمان لائے تھے۔ اس کے جواب میں علامہ عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ اس سرزمین کی بات ہے جس میں یہ واقعہ پیش آیا اس وقت وہاں لوط علیہ السلام نہیں تھے۔ پھر اس ظالم کے معاملہ سے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس کے سیاسی قوانین میں یہ تھا کہ وہ ظالم، شوہر والی خواتین کے درپے ہوتا تھا کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ جب وہ شوہر کو اختیار کرتی ہے تو اُسے اپنے آپ کو روکنے کا بادشاہ سے حق نہیں ہے بلکہ بادشاہ اس کے لئے اس کے شوہر سے زیادہ حقدار ہے۔ اب رہی وہ عورتیں جن کے شوہر نہیں ہیں تو وہ عورتیں جب تک راضی نہ ہوں ان پر اس کا حق نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے آپ کی مراد یہ ہو کہ اگر اس کو یہ (کہ تم میری بیوی ہو) معلوم ہوجائے تو طلاق دینے کے لئے مجھے مجبور کرے گا یا تم پر حریص ہو کر مجھے قتل کردینے کا ارادہ کرے گا۔ اور اس سے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے، بادشاہ کے دین میں پیغمبروں کے رشتہ دار خواتین سے شادی کرنا یا ان سے کسی قسم کا تمتع کرنا جائز نہیں تھا (اسی لئے آپ نے فرمایا یہ میری بہن ہے) (مرقات)

ہاتھ سے ان کو پکڑنے گیا[1] تو وہ خود پکڑ لیا گیا اور روایت ہے کہ اس کو دبوچ لیا گیا کہ وہ اپنے پاؤں رگڑنے لگا، تو اس نے کہا تم میرے لئے اللہ سے دعا کرو، میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ وہ اللہ سے دعا کیں تو وہ چھوڑ دیا گیا پھر دوسری مرتبہ ان کو پکڑنے گیا تو پھر اسی طرح بلکہ اس سے بھی سخت پکڑ لیا گیا تو بولا میرے لئے اللہ سے دعا کرو اور میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا تو وہ اللہ سے دعائیں کیں تو وہ چھوڑ دیا گیا پھر وہ اپنے بعض نگران کارواں کو بلایا اور کہا تو نے میرے پاس کسی انسان کو نہیں لایا، تو میرے پاس ایک شیطان کو لایا ہے اور اس نے ان کی خدمت کے لئے بی بی ہاجرہ کو دیا پھر بی بی سارہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں، جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا ہوا تو وہ بولیں اللہ نے کافر کا مکر اسی کے گلے میں لوٹا دیا، اور بی بی ہاجرہ عطا کیا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں یہ تمہاری ماں ہے اے آسمان کے پانی کے بچو[2]۔ (بخاری ومسلم)

1 **قولہ ذھب یتناولھا بیدہ** (ان کو اپنے ہاتھ سے پکڑنے گیا) آپ سے کوئی سوال وجواب کے بغیر ہی یا سوال وجواب کو سننے کے بعد آپ کے نہایت حسن وجمال کی وجہ سے آپ کی جانب میلان کا غلبہ ہونے سے پکڑنے گیا۔ (مرقات)

2 **قولہ لیس یا بنی ماء السماء.** (اے آسمان کے پانی کے بچو) علامہ قاضی نے فرمایا ان سے سارا عرب مراد ہے کیونکہ یہ بارش کے پانی کی تلاش کرتے تھے اور اسی سے زندگی گزارتے تھے اور عرب اگرچیکہ سارے کے سارے سیدہ بی بی ہاجرہ کے بطن سے نہیں تھے لیکن اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو دوسروں پر غلبہ دیا گیا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ ان سے انصار مراد ہیں، کیونکہ وہ عامر بن حارثہ ازدی کی اولاد ہیں جو حسان بن منذر کے دادا ہوتے ہیں اور وہ **ماء السماء** آسمان کے پانی سے ملقب تھے ان کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **بنی**

367/6899 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کا[1] حق رکھتے ہیں جبکہ انہوں نے

ماء السماء سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد مراد ہو اور بارش کے پانی کی پاکیزگی کی طرح ان کے نسب کی پاکیزگی اور آباء واجداد کی شرافت وبزرگی کی وجہ سے **بنی ماء السماء** (آسمان کے پانی کے بچے) کہا گیا ہے۔

علامہ ابن الملک نے فرمایا ان کو **بنی ماء السماء** اس لئے بھی کہا گیا ہے وہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی اولاد سے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے لئے زمزم کو بھیج دیا تھا اور وہ آسمان سے آیا ہوا پانی ہے (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم کہتے ہو: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق ومصدوق نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دامن سے ان کی براءت کی ہے تو پھر سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام نے حدیث شفاعت میں کیوں فرمایا **انی کذبت ثلاث کذبات** (مجھ سے تین کذب ہوئے ہیں) اور ان کو ذکر کیا خلیل اللہ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا نفسی نفسی حالانکہ یہ معاریض وتوریہ ہیں مگر بظاہر خلاف واقعہ معلوم ہونے کی وجہ سے ان باتوں کو کذب کا نام دیا گیا میں کہتا ہوں اگرچیکہ ہمارے پاس باعتبار توریہ یہ کذب نہیں ہیں پھر بھی بظاہر اس میں سیدھی بات سے ہٹی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے اسی لئے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نامناسب امر سے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی براءت کا ارادہ فرمایا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی وہاں مرتبہ شفاعت پر نظر تھی کہ یہ مرتبہ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اس لئے اپنے معاریض وتوریہ کو کذب سے تعبیر فرمایا۔

1 **نحن احق بالشک من ابراهيم.** علامہ ابن ملک نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو عمل صادر ہوا ہے وہ کسی شک کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مزید طلب علم کے لئے تھا اور میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کیوں کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وقل رب زدنی علما** آپ کہیے اے میرے رب مجھے علم اور زیادہ عطا فرما، اور اس میں شک کا ذکر بطور مشاکلت ہے، اور امام مزنی نے اس کا معنی یہ بتایا ہے کہ اگر آپ کو شک آتا تو مجھے اس کا زیادہ حق ہوتا اور تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کوئی شک نہیں ہے تو تم اس بات کا یقین کر کہ وہ بھی ایسے ہی ہیں یعنی ان کو بھی کوئی شک نہیں تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا

کہا تھا اے میرے رب مجھے دکھایئے آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں اور اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ سخت ستون کی طرف پناہ لیتے تھے[1] اور اگر میں قید خانہ میں اتنی دراز مدت

ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اوپر جو ترجیح دی ہے وہ بطور تواضع ہے یا آپ کا یہ فرمانا اس وقت سے پہلے کا ہے جب کہ آپ سارے بنی آدم سے افضل ہیں، کا علم ابھی نہیں اتارا گیا تھا، اب رہا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سوال کرنا علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کرنے کے لئے تھا یا اس لئے تھا کہ آپ نے جب مشرکین کے خلاف یہ استدلال فرمایا تھا کہ آپ کا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے تو آپ نے چاہا کہ اس کی کھلی (آنکھوں دیکھی) دلیل مل جائے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ صیغہ نحن (جمع متکلم) تعظیم کے لئے نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ عذر پیش کیا جائے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے آپ نے بطور تواضع کے فرمایا ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں ہم یعنی میں اور میری امت مردوں کو زندہ کرنے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک نہیں کرتے بلکہ تمام امتوں میں سے ہم خاص طور پر مردوں کو زندہ کرنے پر اس کی قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو مرتبہ توحید اور مقام تفرید میں اکمل الانبیاء ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی سیدھی راہ اور سیدھے طریقے کی اتباع کا حکم فرمایا تو ان کی نسبت شک کرنے کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر ان کے لئے جبکہ وہ معصومین اور متبوعین میں سے ہیں شک جائز ہوتا تو ہمارے لئے جب کہ ہم بعد آنے والوں میں سے ہیں بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد زبردست دلیل کے ذریعہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے شک کی نفی کرنا اور یہ بتلانا ہے کہ وہ مقام طمانیت اور مشاہدہ کی کیفیت سے سرفراز ہیں۔ (مرقات)

[1] **لقد كان ياوى الى ركن شديد** (وہ رکن شدید کی پناہ لیتے تھے) اس سے مراد طاقتور خاندان ہیں، اس کا معنی اللہ بہتر جانتا ہے، یہ ہے کہ آپ بعض ضروری امور میں بشری تقاضہ کے مطابق طاقتور خاندان کی مدد طلب کرنے کی طرف مائل تھے اور ہم تو اللہ رب الارباب پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہوئے اس جیسے مقامات میں ارباب کمال کی اتباع کرنے کے مامور ہیں یعنی اسباب کو اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا ہے اور اللہ تعالیٰ صحیح بات کو بہتر جاننے والا ہے۔ (مرقات)

تک ٹھیرتا[1] جتنی مدت یوسف علیہ السلام ٹھہرے تھے تو میں بلانے والے کی بات قبول کرلیتا۔ (بخاری ومسلم)

368/6900 حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس انبیاء علیہم السلام پیش کئے گئے[2] تو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ[3] وہ مرد حضرات میانہ قد کے

---

1 **قولہ ولو لبثت فی السجن الخ.** (اگر میں قید میں ٹھہرا رہتا) علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے فرمایا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور قید خانہ میں اگرچیکہ مدت دراز ہوگئی تھی مگر اس سے نکلنے میں جلدی نہ کرنے کے قابل تعریف ہونے کا بیان ہے انہوں نے فرمایا پھر اس کے ضمن میں یہ بات بھی بتانا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پاس اس مقام پر ہیں کہ اس مرتبہ میں کوئی شخص ان کے برابر نہیں ہوتا، اور وہ بشر ہیں، بشریت کے تقاضے کے مطابق جو احوال بشر پر طاری ہوتے ہیں ان پر بھی طاری ہوتے ہیں تو اسے تم ان کے لئے نقص شمار مت کرو اور اس کو برا مت سمجھو۔

اور علامہ ابن الملک نے فرمایا اس میں ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلت صبر اور بے قراری کی کوئی بات نہیں بلکہ اس میں یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف اور قید خانہ سے نکلنے میں جلدی نہ کرنے کا ذکر ہے تاکہ آپ پر جو برائی کی تہمت لگائی گئی تھی وہ بادشاہ کے دل سے نکل جائے اور بادشاہ آپ کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ (مرقات)

2 **قولہ عرض علیّ الانبیاء** (میرے پاس انبیاء علیہم السلام پیش کئے گئے) یہ واقعہ معراج کی رات مسجد اقصیٰ میں ہوا یا جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے آسمانوں پر ہوا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح دنیا میں جس شکل میں تھیں اسی شکل وصورت میں وہاں پیش ہوئے ہیں ہمارے علماء میں سے شارحین نے اسی طرح بیان کیا ہے، اور علامہ ابن ملک نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور واضح بات ہے، علامہ قاضی نے فرمایا ہوسکتا ہے ان کی ارواح کی یہ صورتیں بنائی گئی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی صورتیں اسی طرح ہوں یا یہ ان کے جسم کی صورتیں آپ کے لئے خواب میں یا بیداری میں ظاہر کی گئی ہوں۔ (مرقات)

3 **قولہ ضرب من الرجال** یعنی کم گوشت اور ہلکے بدن کے تھے۔ (مرقات)

ہیں گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے مرد لوگوں میں سے ہیں اور عیسیٰ بن مریم کو دیکھا تو وہ ان لوگوں میں جن کو میں دیکھا ہوں عروہ بن مسعود کے زیادہ مشابہ ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جن حضرات کو میں دیکھا ہوں تو ان سے زیادہ مشابہ تمہارے صاحب ہیں اس سے مراد آپ کی ذات اقدس ہے اور میں جبریل کو دیکھا جنہیں میں دیکھا ہوں ان میں ان سے زیادہ مشابہ دحیہ بن خلیفہ ہیں۔ (مسلم)

369/6901 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس رات مجھے معراج کا سفر کرایا گیا موسیٰ علیہ السلام سے میں ملاقات کیا وہ قد آور[1] چھلے دار بال والے تھے گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے مرد حضرات میں سے ہیں اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کیا وہ میانہ قد اور سرخ رنگ تھے گویا حمام سے نکلے ہیں اور میں ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا ان کی اولاد میں سے میں ان کے سب سے زیادہ مشابہ ہوں، آپ نے فرمایا میرے پاس[2] دو برتن لائے گئے ان میں سے

---

1 **قولہ رجل مضطرب** (سیدھے دراز قد چھریرے بدن) علامہ قاضی اور دیگر شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سیدھے دراز قد کے تھے اور چھریرے جسم اقدس کے تھے۔ کیونکہ حاد لچکدار اور حرکت کرنے والا ہے گویا اس میں جنبش ہے اور جو نیزہ طویل، سیدھا ہوتا ہے اسکو رمع مضطرب کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرز جاتے تھے اور یہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کی صفت ہوتی ہے جیسا کہ روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو آپ کے قلب میں دیگچی کے کھولنے کی آواز ہوتی تھی۔ (مرقات)

2 **قولہ احدھما لبن** (ان میں سے ایک میں دودھ تھا) علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عالم حسی (دنیا) کے کاموں کو عالم قدسی میں صورتیں اور شکلیں عطا ہوتی ہیں تا کہ غیر محسوس اور معنوی امور کا ادراک حاصل ہو، عالم حسی

ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی اور مجھ سے کہا گیا ان میں سے آپ جو چاہتے ہیں لے لیں، تو میں دودھ کو لے لیا[1] اور اس کو پی لیا تو وہ مجھ سے کہا گیا آپ کو فطرت کی ہدایت دی گئی اور اگر آپ شراب کو لیتے[2] تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ (بخاری و مسلم)

360/6902 حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس رات مجھے معراج کا سفر کرایا گیا تھا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گندمی رنگ کے دراز قامت چھلے دار بال تھے گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے مرد حضرات میں سے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا میانہ قد اور سرخی و سفیدی مائل، سیدھے بال والے ہیں اور دوزخ کے داروغہ مالک کو دیکھا اور دجال[3]

میں بچہ کی سب سے پہلی غذاء اور تربیت دودھ سے ہوتی ہے تو فطرت کو جس سے روحانی قوت کامل ہوتی اور انسانی خصوصیات ابھرتی ہیں اس کو دودھ کی شکل میں دکھایا گیا۔ (مرقات)

1 **قولہ فاخذت اللبن فشربتہ** (میں دودھ لیا اور اس کو پیا) جب پینے کا حکم دیا گیا تو اس سے پینے کا جواز خود بخود معلوم ہوتا ہے کیونکہ حکم کا مقصود یہی ہوتا ہے اور آپ پر ان دونوں چیزوں کو پیش کرنا اور اختیار دینا آپ کی فضیلت فرشتوں کو بتانے کے لئے تھا کہ آپ نے امت کے لئے بہترین چیز کو اختیار کیا۔ (مرقات)

2 **قولہ لو اخذت الخمر غوت امتک** (اگر آپ شراب کو لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی) اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ نبی، عالم، بادشاہ جو کہ مقتدا ہیں ان کا ہدایت پر رہنا ان کے پیروکاروں کی استقامت کا سبب ہے کیونکہ یہ حضرات اس درجہ میں ہیں جس طرح دیگر اعضاء کے لئے دل ہے۔ (مرقات)

3 **قولہ الدجال فی آیات اراھن اللہ ایاہ.** (اللہ نے جو نشانیاں دکھائیں ان میں دجال کو بھی دیکھا) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نشانیوں کے ساتھ جو اللہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائیں دجال کو بھی دیکھا اور ان کو بھی جو آپ نے بیان کیا۔

کو دیکھا ان نشانیوں میں جو اللہ نے آپ کو دکھائیں، آپ اس کی ملاقات سے شک میں مت ہونا۔[1]

(بخاری ومسلم)

361/6903 حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان چلے اور ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا یہ کونسی وادی ہے تو صحابہ نے عرض کیا وادی ازرق ہے تو آپ نے فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں اور آپ نے ان کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر فرمایا اپنی دونوں انگلیاں

اور حدیث شریف میں یہ قول **فی آیات اراھن اللہ ایاہ** (ان نشانیوں میں جو اللہ نے آپ کو بتائیں) راوی کا قول ہے راوی نے سامعین کے استبعاد کو دور کرنے کے لئے ان کے دلوں میں کھٹکنے والے خیال کو نکالنے کے لئے اپنی اس عبارت کو داخل کیا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جو ارشاد فرمایا **لقد رای من آیات ربہ الکبری.** سے مراد یہی نشانیاں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوتا تو **اراھن اللہ ایای** (مجھے جو نشانیاں اللہ نے دکھائیں) ارشاد ہوتا۔ بعض شارحین نے ایسا ہی ذکر کیا ہے ظاہر ہے کہ ضمیر کا مرجع دجال ہے اور ''آیات'' سے وہ خرق عادت امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دجال کے حق میں بطور استدراج اور بندوں کے حق میں امتحان و آزمائش کے لئے رکھا ہے۔ **واللہ اعلم.** (مرقات)

1 **قولہ فلا تکن فی مریۃ من لقائہ** (آپ ان سے ملاقات کے بارے میں شک میں نہ ہوں) علامہ مظہر نے فرمایا فلا تکن کا خطاب قیامت تک اس حدیث کے تمام سامعین سے عام ہے اور **لقائہ** میں ضمیر کا مرجع دجال ہے۔ یعنی جب اس کا نکلنا وقت مقررہ پر ہے تو اس کی ملاقات میں شک مت کرو۔ اور دوسرے حضرات نے کہا کہ ضمیر کا مرجع **ماذکر** یعنی مذکورہ امور ہیں مطلب یہ ہے کہ قیامت کی جو نشانیاں دکھائی گئی ہیں ان میں شک مت کرو۔ (مرقات)

اپنے دونوں کانوں میں رکھے ہوئے ہیں اور اللہ کی جناب میں اس وادی سے گزرتے ہوئے بلند آواز میں لبیک پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک گھاٹی پر پہنچے تو آپ نے فرمایا یہ کونسی گھاٹی ہے تو صحابہ نے کہا یہ ہرشی یا لفت گھاٹی ہے تو آپ نے فرمایا گویا میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں سرخ اونٹنی پر سوار ہیں ان پر اونی جبہ ہے[1] ان کی اونٹنی کی لگام نکیل کھجور کی چھال کی ہے[2] اس وادی سے گزرتے ہوئے لبیک پڑھ رہے ہیں۔ (مسلم)

362/6904 ﴿ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا ایک مسلمان اور ایک یہودی دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو سخت سست کہا، مسلمان صاحب نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہانوں پر منتخب فرمایا تو یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر منتخب فرمایا تو مسلمان نے اس وقت ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر طمانچہ لگا دیا تو یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اس کا

---

1 **قولہ علیہ جبۃ صوف** (ان پر اونی جبہ ہے) یہ تواضع اور زہد کی بناء پر تھا اور یہی صوفیہ کرام اور ان کی راہ پر چلنے والے علماء کرام جیسے علامہ کسائی وغیرہ کا ماخذ ہے اور ہوسکتا ہے اس وقت آپ اس کو عام طریقہ سے ہٹ کر پہنے ہوں یا ان کی شریعت میں محرم کے لئے جبہ اور اس جیسا لباس پہننا مطلقاً جائز ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (مرقات)

2 **قولہ مارا بھذا الوادی ملبیا**. (اس میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حج شعائر اللہ میں سے ہے اور انبیاء علیہم السلام کا شعار ہے خواہ وہ حیات ظاہری میں ہوں یا بعد وصال کی زندگی میں اور اس میں حج کے مقصد کی اور اس کے متعلقات جیسے تلبیہ کی رغبت دلاتا ہے جو توحید پر دلالت کرتے ہیں۔ اور احرام کی حالت کا شوق دلاتا ہے جس میں تجرید وتفرید کا اعلان ہے۔ **(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)**

اور مسلمان کا جو کچھ معاملہ ہوا تھا آپ سے ذکر کیا تو آپ نے مسلمان کو بلایا اور اس کے متعلق ان سے دریافت فرمایا تو اس نے آپ کی خدمت میں سارا واقعہ کہہ سنایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم موسیٰ علیہ السلام پر میری فضیلت کو مت بولا کرو[1] کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہوں گے اور میں بھی ان کے ساتھ بیہوش ہوں گا اور میں سب سے پہلے اٹھوں گا، تو یک بہ یک میں دیکھوں

علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کہا جائے وہ کیسے حج کرتے ہیں اور تلبیہ کہتے ہیں جب کہ وہ دنیوی مدت گزار چکے ہیں اور آخرت دار العمل نہیں ہے، اس کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ وہ شہدا کی طرح ہیں بلکہ شہداء سے افضل ہیں اور شہداء کرام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں تو یہ بات بعید نہیں کہ حج کریں نماز ادا کریں اور اپنی استطاعت کے مطابق اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں کیونکہ وہ اگر چہ اپنی دنیوی مدت پوری کر چکے ہیں تاہم اسی دنیا میں ہیں جو دار العمل ہے یہاں تک جب اس کی مدت ختم ہوگی اور اس کے پیچھے آخرت آئے گی جو دار الجزاء ہے تو عمل منقطع ہو جائے گا۔

1 **قوله لا تخیرونی.** (دوسروں کی تنقیص کے بطور میری بزرگی کا ذکر مت کرو) آپ نے یہ بطور تواضع فرمایا یہ منع اس شخص کے لئے ہے جو اپنی رائے سے بولتا ہے، جو شخص دلیل سے بولتا ہے اس کے لئے منع نہیں ہے یا اس شخص کے لئے منع ہے جو اس طرح بیان کرتا ہے جس سے مفضول کی تنقیص ہوتی ہے یا اس کی وجہ سے کسی قسم کا جھگڑا یا تنازع پیدا ہوتا ہے یا اس منع سے مراد یہ ہے کہ میرے تمام فضائل اس طرح مت بیان کرو کہ مفضول کے لئے کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فضیلت کو بیان کرنے سے جو منع کیا گیا ہے وہ نفس نبوت کے بارے میں ہے یعنی نبوت پر ایمان لائے جانے کے اعتبار سے سب برابر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لانفرق بین احد من رسوله.** ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ یہ منع انبیاء علیہم السلام کی شخصیات اور ان کی رسالت عمومی شان سے متعلق نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** (ان رسولوں کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے) اور علامہ حلیمی نے کہا ہے کہ جن احادیث شریف میں

گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ تو میں نہیں جانتا[1] کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو بیہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے، یا وہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ فرمایا۔

363/6905 ﴿ اور ایک روایت میں ہے میں نہیں جانتا کہ ان کا طور کی بیہوشی میں حساب لگایا گیا ہے یا مجھ سے پہلے اٹھائے گئے ہیں۔ اور میں نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے

364/6906 ﴿ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: انبیاء کرام کے درمیان ترجیح مت دیا کرو۔ (بخاری ومسلم)

تخییر یعنی دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت بیان کرنے کی ممانعت آئی ہے وہ صرف اہل کتاب سے بحث کرتے وقت ہے کیونکہ جب دو دین والوں کے درمیان بحث کا موضوع بنے گا تو کوئی ایک دوسرے پر عیب لگانے سے محفوظ نہیں رہ سکے گا اور یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (ماخوذ از فتح الباری و کتاب التوشیح)

1 **قولہ فلا ادری کان فیمن صعق فافاق قبلی او کان فیمن استثنی اللہ.** (میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے ہیں اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان حضرات میں سے ہیں جن کو اللہ نے (بے ہوشی میں) مستثنیٰ کیا ہے)

صاحب مرقات نے فرمایا: اس حدیث شریف میں بیہوش ہونے کا ذکر ہے۔ وہ دوبارہ اٹھائے جانے سے پہلے خوف کے نفخہ کے وقت کا ذکر ہے اب رہا دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت اس میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کو تقدم حاصل نہیں، اور اس فضیلت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت انہیں ان پر مقدم نہیں کرتی جو کئی ایک فضائل اور بہت سارے مناقب کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔

صاحب لمعات نے فرمایا ہے اس حدیث شریف میں صعقہ بے ہوشی کے صور سے مراد فزع کا صعقہ (ہیبت وجلال کی وجہ

365/6907 ﴿ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے درمیان فضیلت مت دو۔ 366/6908 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی بندے کو نہیں کہنا چاہیے[1] میں یونس بن متی سے افضل ہوں 367/6909 ﴿ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے جو شخص کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں تو اس نے جھوٹ کہا۔

سے بے ہوش ہونا) جو دوبارہ اٹھائے جانے سے پہلے ہوگا، جس سے سب بے ہوش ہو جائیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش نہیں ہوں گے، کوہ طور پر وہ جو بے ہوش ہوئے تھے اس کو اس کے حساب میں لگایا جائے گا۔

اور صاحب فتح الباری نے فرمایا اگر اس سے پہلا صور مراد ہے جس میں سب پر موت آجائے گی اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تردد نہیں فرمایا آپ نے قطعی طور پر فرمایا موسیٰ علیہ السلام وصال فرما گئے ہیں اس لئے اس سے فزع کا صعقہ مراد ہے، موت کا صعقہ مراد نہیں ہے۔

1 **وما ینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس بن متی.** (کسی بندے کو سزاوار نہیں وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں) دیگر انبیاء علیہم السلام میں سے خاص طور پر حضرت یونس بن متی کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یونس علیہ السلام کا جو ذکر فرمایا کہ وہ اپنی قوم کے پاس سے چلے گئے اور قوم آپ کی دعوت کو قبول نہیں کی تھی آپ ان سے دل برداشتہ ہو گئے اور تحمل نہیں کئے اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولا تکن کصاحب الحوت آپ مچھلی والے صاحب کی طرح نہ ہو جایئے اور فرمایا: وہ اپنے آپ کو ملامت کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ امت کے وہ لوگ جن کا باطن ضعیف ہے کہیں آپ حضرت یونس علیہ السلام کی تنقیص شان نہ کریں اس لئے آپ نے ان کو بتا دیا کہ یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت عطاء فرمائی ہے یہ بات ان کے لئے عیب کی نہیں ہے، اور اس کے باوجود بھی یقیناً وہ تمام انبیاء و مرسلین کی طرح شان رکھتے ہیں۔

اس باب میں جس قدر وضاحتیں کی گئی ہیں ان سب میں یہ جامع بیان ہے اس میں تمہارے لئے سب سے اچھی بات کی طرف رہنمائی ہے۔ اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **انا سید والد آدم ولا فخر** (میں تمام انسانوں کا

368/6910 ان ہی سے (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب ملک الموت حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا: آپ اپنے رب کا بلاوا قبول کیجئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر طمانچہ رسید کردیا[1] اور ان کی آنکھ کو پھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس گیا اور عرض

سردار ہوں اور یہ فخر کی بات نہیں) کے مخالف نہیں ہے کیونکہ آپ نے یہ مخلوق پر اپنے فخر اور تعلّی کے لئے نہیں فرمایا بلکہ تحدیث نعمت اور شکر گزاری کے طور پر فرمایا اور **انا سید** ولد آدم سے روز قیامت آپ کی شفاعت سے مخلوق کی حاجت روائی ہے مراد ہے۔ (**واللّٰہ تعالیٰ اعلم**) (ماخوذ از مرقات)

1 **قولہ فلطم موسیٰ عین ملک الموت ففقاھا** (موسیٰ علیہ السلام نے فرشتہ کی آنکھ پر طمانچہ مارا اور آنکھ کو پھوڑ دیا) فرشتے انسانی شکل وصورت اختیار کرتے ہیں اور ان کے لئے یہ صورتیں انسانوں کے لباس کی طرح ہیں اور طمانچہ کا اثر انسانی صورت کی آنکھ پر ہوا اور ملکی آنکھ پر نہیں کیونکہ ملکی آنکھ طمانچہ وغیرہ سے متاثر نہیں ہوتی اور ایک شارح نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ اس لئے مارا کہ وہ اختیار سنانے سے پہلے ہی روح قبض کرنے کا اقدام کر رہے تھے کیونکہ آخر میں انبیاء علیہم السلام کو اپنے لئے وفات یا حیات منتخب کرنے کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اختیار دیا جاتا ہے۔

علامہ مازری کہتے ہیں بعض ملحدین نے اس حدیث شریف کا انکار کیا اور یہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دینا کیسے جائز ہے، اس کا علماء نے جواب دیا ہے، ایک تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ ملک الموت ہیں بلکہ وہ یہ خیال کئے کہ ایک شخص ہے جو ان کی جان چاہتا ہے تو آپ اس کی مدافعت کئے اور یہ مدافعت ان کی آنکھ کے پھوٹنے کا سبب بنی، آپ فی الواقع آنکھ پھوڑنے کا ارادہ نہیں کئے تھے۔ اور امام ابوبکر بن حزم اور دیگر متقدمین نے یہ فرمایا ہے: موسیٰ علیہ السلام جب دیکھے وہ انسانی شکل میں ہے اور روح قبض کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے تو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹا ہے اور اس پر غصہ ہوئے اور طمانچہ مار دیئے۔ علامہ قاضی عیاض نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور

کیا کہ آپ مجھے اپنے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجے ہیں[1] جو مرنا نہیں چاہتا اور انہوں نے میری آنکھ بھی پھوڑ دی ہے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ انہیں لوٹا دی اور فرمایا میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور کہو آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر آپ حیات چاہتے ہیں تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت پر رکھ دو۔ تمہیں تمہارا ہاتھ اس کے جس قدر بال کو ڈھانکے گا تم اتنے سال دنیا میں حیات

ان بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دوسری مرتبہ وہ ایسی علامت کے ساتھ آئے جس سے معلوم ہوگیا کہ وہ ملک الموت ہیں آپ نے اپنے آپ کو حوالے کردیا، برخلاف پہلی مرتبہ کے وہ اس وقت اس طرح نہیں آئے تھے۔

اور علامہ ابن الملک نے شرح المشارق میں فرمایا اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح کا عمل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیسے صادر ہوا تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم تفویض کیا جاتا ہے۔

اور کتاب شرح السنہ میں ہے ہر مسلمان پر واجب ہے اس پر ایسا ہی ایمان لائے جیسا احادیث میں آیا ہے اس میں انسانی طور وطریق کا اعتبار نہ کرے ورنہ وہ شک وشبہات میں پڑ جائے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے صادر ہونے والے امور ہیں، اور یہ ملک کریم اور نبی کلیم کے درمیان مباحثہ ہے، ان میں سے ہر ایک کی ایک خاص صفت ہے اور یہ اپنی خصوصی صفت کی بناء پر عام بشری حکم اور عام انسانی عادات اور ان کے طور وطریق سے خارج ہیں، دوسروں کے احوال پر ان کے احوال کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (ماخوذ از مرقات)

[1] **انک ارسلتنی الی عبدلک الخ.** (آپ نے مجھے آپ کے ایک ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے) علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم یہ کہو کہ کیا فرق ہے فرشتے کے قول میں اس نے **عبدلک** کہا اور **عبد** کو نکرہ لایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں **عبدی** کہا **عبد** کی اپنے طرف نسبت کی ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں فرق یہ ہے کہ فرشتے نے **عبد** کو نکرہ لاکر ایک قسم کا طعن کیا کہ وہ موت نہیں چاہتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے **عبدی** کہہ کر **عبد** کی نسبت اپنے طرف کی اور آپ کی شان بلندی اور مرتبہ کی عظمت بیان کیا۔ (مرقات)

رہو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر اس کے بعد کیا ہوگا[1]؟ فرشتہ نے کہا آپ کو موت آئیگی تو آپ نے فرمایا ابھی قریب ہی میں تیار ہوں۔ اے میرے پروردگار! مجھے[2] مقدس سرزمین بیت المقدس سے پتھر پھینکنے کے فاصلہ پر قریب کر دیجئے۔ اللہ کی قسم اگر میں ان کے پاس ہوتا تو تم کو ان کی مزار دکھا دیتا جو راستہ کے کنارہ سرخ ٹیلہ کے پاس ہے۔ (بخاری و مسلم)

369/6911 ﴿ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خبر (سنی ہوئی بات) دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے بچھڑے کے بارے میں جو کچھ کیا تھا بتا دیا اور آپ تختیاں رکھے نہیں تھے جب آپ نے وہ دیکھا جو انہوں نے کیا تھا تو تختیوں کو ڈال دیا تو وہ ٹوٹ گئیں۔ (احمد)

370/6912 ﴿ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشا فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء دار اور ستر پوش تھے، آپ کے جسم مبارک کی کوئی چیز بھی

---

1 **قولہ مَهْ** (اس کے بعد کیا ہوگا) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مہ میں ہا سکتہ کی ہے اور ما استفہامیہ ہے یعنی پھر کیا ہوگا حیات یا وفات؟۔ (مرقات)

2 **قولہ رب اَدْنِنِی من الارض المقدسة** (اے میرے رب! مجھے ارض مقدسہ سے قریب کر دے) ممکن ہے اس وقت آپ میدان تیہ میں تھے، آپ کا ارادہ ہوا کہ یہاں سے رب تعالیٰ کے گھر بیت المقدس کے قریب ہو جائیں اگرچیکہ مقام دعا سے تھوڑا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو قریب ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس مقامات مبارک مقامات اور دیندار حضرات کے مزارات کے قریب موت کا آنا اور وہاں دفن ہونا مستحب ہے۔ (مرقات)

حیاء کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی تھی اور بنی اسرائیل میں سے جس نے بھی ان کو تکلیف دی اُس نے تکلیف دی۔ اور انہوں نے کہا آپ کا اس قدر ستر پوشی کرنا آپ کی جلد میں کسی عیب کی وجہ سے ہے یا برص ہے[1] یا خصیوں میں ورم آگیا ہے اور اللہ نے چاہا کہ ان کا بے عیب ہونا ظاہر کرے تو وہ ایک دن

1 **ما تستر هذا الستر الا من عيب** (وہ اس قدر پردہ نہیں کرتے مگر جلد میں کسی عیب کی وجہ سے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور حضرات صالحین کو کم عقل اور جاہلوں کی طرف سے آزمائش اور تکلیف پہنچی ہے اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں۔

اور **قوله ففر الحجر بثوبه**۔ (پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزے ہیں، ان میں سے ایک پتھر کا آپ کے کپڑے لے کر بھاگنا ہے۔ اور دوسرا آپ کے مارنے سے پتھر میں نشان قائم ہو جاتا ہے، اور اس واقعہ سے جمادات میں تمیز کرنے اور شناخت کرنے کی قوت بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ حدیث شریف علمائے کرام کے اس اصول کا ماخذ ہے **ان ضرر الخاص يحمل لنفع العام** یعنی عام فائدہ کے لئے خاص کا ضرر برداشت کیا جائے گا۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم بالمرام**)

پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ اس پتھر کو اٹھا کر لے چلنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ جب آپ میدان تیہ میں تھے تو اپنے عصا سے ایک یا ایک سے زائد مرتبہ اس پر ضرب لگایا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے **قوله طفق بالحجر ضربا** یعنی پتھر کو مارنے لگے یہ پتھر پر مارنا آپ کے غصہ کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ پتھر بھاگا تھا اور ادب کا لحاظ نہیں رکھا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس پتھر کا مامور ہونا آپ سے ذہول ہو گیا ہو یا یہ کتاب (توراۃ) میں لکھا ہوا تھا۔ **قوله واللہ ماموسیٰ من باس** (خدا کی قسم موسیٰ (علیہ السلام) میں کوئی عیب نہیں ہے)

انبیاء علیہم السلام مخلوق میں پائے جانے والے نقائص سے اور وہ اپنی صورت و سیرت میں ہر عیب سے پاک ہوتے ہیں، اور حق یہ ہے کہ وہ گھناؤنی بیماریوں اور عیبوں سے بھی پاک ہوتے ہیں وہ صرف آزمائش کے لئے آتی ہیں۔ (ماخوذ از مرقات)

تنہائی میں گئے[1] تاکہ غسل کریں اور اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیے، تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر میرے کپڑے! اے پتھر میرے کپڑے! یہاں تک کہ آپ بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے تو بنی اسرائیل آپ کو برہنہ دیکھے کہ آپ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہیں اور کہے کہ اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام میں کوئی عیب نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام کپڑے لے لئے اور پتھر کو مارنے لگے پس خدا کی قسم پتھر میں آپ کے مار کے تین یا چار یا پانچ نشانات ہیں۔ (بخاری و مسلم)

372/6914 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرمارہے تھے[2] آپ پر سونے کے ٹڈے گرے تو ایوب علیہ السلام کو اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے، تو آپ کے رب نے آپ کو ندا دی اے ایوب! کیا میں تم کو اس چیز سے جس کو تم دیکھ رہے ہو بے نیاز نہیں کیا؟ تو آپ نے کہا: کیوں نہیں آپ کی عزت کی قسم لیکن

---

1 **فخلا یوما وحدہ لیغتسل** (آپ ایک دن غسل کرنے کے لئے تنہائی میں گئے) علامہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے تنہائی میں برہنہ نہانے کا جواز معلوم ہوتا ہے اگرچیکہ ستر عورت افضل ہے، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ نے یہی فرمایا ہے اور علامہ ابن ابی لیلی نے ان سے اختلاف کیا ہے جب کہ پانی ٹھہرا ہوا ہو۔ میں کہتا ہوں ہمارے امام اعظم بھی جمہور کے ساتھ ہیں اور علامہ ابن ابی لیلی کا اختلاف بظاہر پانی میں داخل ہونے سے متعلق ہے۔ (مرقات)

2 **بینا ایوب یغتسل عریانا** (اس دوران کہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کررہے تھے) ہوسکتا ہے آپ تہبند باندھے ہوئے ہوں جیسا کہ آنے والی عبارت **یحثی فی ثوبہ** سے (اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے)

مجھے آپ کی برکت سے بے نیازی نہیں ہے۔[1] (بخاری)

372/6914 حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس لڑکے کو خضر[2] علیہ السلام نے قتل

معلوم ہوتا ہے کہ آپ تہہ بند پہنے ہوئے ہوں گے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی سارے کپڑے نکالے ہوئے (برہنہ) ہوں اور یہ ان دونوں انبیاء کی شریعت میں جائز ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ تعالیٰ سے حیاء کے تقاضے کی بناء پر ستر کے ساتھ غسل کرنا اولیٰ و بہتر ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لے مبعوث کیے گئے ہیں۔ (مرقات)

1 **قولہ لا غنی بی عن برکتک.** (آپ کی برکت سے بے نیازی نہیں ہوسکتی) یعنی آپ کی نعمتوں کی کثرت اور آپ کی رحمت کی زیادتی سے استغناء اور بے نیازی نہیں ہوسکتی، اور ایک روایت میں ہے **من یشبع من رحمتک اور من فضلک.** آپ کی رحمت یا آپ کے فضل سے کون شکم سیر اور بے نیاز ہوسکتا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال مال کی زیادتی کی حرص جائز ہے ایسے شخص کے لئے جس کو اپنے اوپر بھروسہ ہو کہ وہ اس کا شکر ادا کریگا اور رب تعالیٰ کی پسند کے اور اس کی رضا و خوشنودی کے کاموں میں اس کو خرچ کرے گا تو یہ حکم ایسے ہی شخص کے لئے ہوگا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلال طریقہ سے آنے والے مال کو اس کے اچھے نتیجہ اور اس کے اچھے فوائد کی بناء پر برکت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس طرح مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ یہ مال مجھ سے زائد محتاج کو عطا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو جواب میں فرمایا تم جب مال کی طرف نظر لگائے ہوئے نہ ہوں اور اس کا سوال بھی نہ کر رہے ہوں تو اس کو لے لو اور جب ایسا نہ ہو تو اس کے پیچھے اپنے کو مت لگاؤ۔ (مرقات)

2 **قولہ الخضر.** خ کو زبر (فتحہ) اور ض کو زیر (کسرہ) کے ساتھ اور ایک نسخے میں خ کے زیر (کسرہ) اور ض کو سکون کے ساتھ ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے پاس خصوصاً صوفیہ کرام اور اہل صلاح واہل معرفت

حضرات کے پاس خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور ہمارے درمیان موجود ہیں اور ان کو دیکھنے اور ان سے ملاقات کرنے اور ان سے اخذ کرنے اور ان سے سوال وجواب اور مبارک مقامات اور خیر کے مجالس میں ان کی تشریف آوری کے واقعات شمار سے زیادہ ہیں۔ اور شیخ ابوعمرو بن صلاح نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور محققین میں اس کا انکار کرنے والے بہت کم ہیں۔ شیخ حمیری مفسر اور ابوعمرو نے فرمایا کہ وہ نبی ہیں البتہ ان کے رسول ہونے میں اختلاف ہے، اور امام قشیری اور بہت سے حضرات نے فرمایا کہ وہ ولی ہیں اور جو حضرات ان کے نبی ہونے کے قائل ہیں وہ ان کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں **ما فعلته عن امری** میں نے یہ کام اپنے امر سے نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر وحی آتی ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ جاننے والے ہیں اور یہ بات ممکن نہیں کہ ولی نبی سے زیادہ علم والے ہوں۔ دوسرے علماء نے اس کا جواب دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ بطور الہام ہو اور ان پر الہام کیا جاتا ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو الہام کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اذ اوحینا الی امک ما یوحی ان اقذفیه** (تمہاری ماں پر ہم نے وحی بھیجا کہ ان کو تم دریا میں ڈال دو) اس بارے میں میں یہ کہتا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی آئی تھی وہ بچے کے معاملے میں مجبوری کی حالت میں بچے کو بچانے کی تدبیر کی تھی۔ لیکن لڑکے کے (قتل) کا حکم کو ایک ولی پر الہام ہونے پر محمول کرنا درست نہیں ہے، ایک پاک جان کو بغیر کسی قتل ناحق کے وحی الہامی پر اعتماد کرکے کہ وہ کافر پیدا ہوا ہے قتل کردینا کسی بھی ولی کے لئے جائز نہیں اور امام ثعلبی مفسر نے فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں ان کی بڑی عمر ہے وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں اور آپ نے فرمایا ان کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ آخر زمانہ میں جب قرآن مجید اٹھالیا جائے گا اس وقت تک آپ انتقال نہیں کریں گے، میں کہتا ہوں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دجال آپ کو قتل کرے گا۔ پھر انہوں نے بہت سے اقوال ذکر کئے کہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے ہیں یا اس کے تھوڑا بعد یا ان کے بہت بعد زمانے کے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ روایت میں ہے کہ آپ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

کیا تھا وہ کافر پیدا ہوا تھا[1]۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو وہ اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں مبتلاء

اور جامع صغیر میں حارث کی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خضر علیہ السلام سمندر میں ہیں اور الیاس علیہ السلام خشکی میں ہیں، اور حضرت ذوالقرنین نے جو یاجوج ماجوج اور عام انسانوں کے درمیان دیوار اور سد بنائی تھی وہاں یہ دونوں حضرات روزانہ رات میں ملاقات کرتے ہیں اور ہر سال حج وعمرہ کرتے ہیں اور اس قدر زمزم پیتے ہیں کہ وہ آئندہ سال تک کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

اور فتاویٰ حدیثیہ میں ہے کہ ابن عدی نے الکامل میں روایت کی ہے کہ حضرت الیاس وحضرت خضر علیہما الصلاۃ والسلام ہر سال حج کے موقع پر ملاقات کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا حلق کرتے ہیں اور جاتے وقت یہ کلمات پڑھتے ہیں: **بسم اللہ ماشاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ. بسم اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ.** بھلائی کو صرف اللہ تعالیٰ ہی لاتا ہے۔ **ماشاء ماکان من نعمة فمن اللہ. ماشاء اللہ لا قوة الا باللہ.** برائی کو صرف اللہ تعالیٰ ہی دور کرتا ہے۔ **ماشاء اللہ** ہر نعمت صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ ماشاء اللہ برائی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ سے ہے۔ (مرقات)

1۔ **طبع کافرا** (وہ کافر پیدا ہوا) یعنی وہ لڑکا پیدا ہو کر کفر کو اختیار کرے گا اور یہ اس حدیث شریف **کل مولود یولد علی الفطرة** (ہر پیدا ہونے والا فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے) کے خلاف نہیں ہے کیونکہ فطرت سے مراد قبول اسلام کی صلاحیت لیکر پیدا ہونا ہے اور اور اپنی جبلت میں وہ شقی ہو تو یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اہل سنت وجماعت کے مذہب کے صحت کی دلیل ہے کہ کسی بھی بندے کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تیسیر کے بغیر کسی کام کی قدرت نہیں۔ اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں بندہ اپنی ذات سے کسی کام کو کرنے کی اور ہدایت وگمراہی کی قدرت رکھتا ہے اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، ان کے آگے پیچھے سد ور کاوٹ کر دی گئی یا پوشیدہ پردہ دلوں پر ڈال دیا گیا اور ان کے کانوں میں ڈاٹ اور ان کے قلوب میں بیماری ڈال دی گئی ہے۔

کردیتا[1]۔ (بخاری ومسلم)

373/6915 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

ان کے پاس اللہ کا فیصلہ آ گیا اور اس کا کلمہ نافذ ہوگا، اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کے امر اور فیصلہ کو کوئی پیچھے ہٹا نہیں سکتا۔

جو حضرات کافروں کے بچوں کے لئے دوزخ کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں تفصیل مناسب ہے جن پر کفر کی مہر لگ گئی ہے وہ دوزخ میں جائیں گے اور جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں وہ جنت میں جائیں گے۔ اس سے ائمہ کے تمام اقوال کے درمیان توفیق ہوجاتی ہے اور سب سے زیادہ راجح قول توقف کا قول ہے جس کو ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (مرقات)

1 **قولہ لأ رھق ابویہ طغیانا و کفرا** (اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں ڈال دے گا) یعنی ان کو گمراہ کرنے کا سبب بن جائے گا، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے قتل کیے جانے کا سبب دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) وہ کافر پیدا ہوا ہے (۲) اور اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ زندہ رہے گا تو گمراہ کرنے والا اور بدکار رہوگا۔

علامہ ابن الملک نے فرمایا اگر تم یہ کہو کہ کسی کا آخر میں کافر ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قتل کردینا حلال نہیں ہوتا، تو حضرت خضر علیہ السلام اس کے کفر کے اندیشہ کی بناء کیسے قتل کیے؟ تو اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ان کی شریعت میں جائز ہو۔ اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بیان میں اور موسیٰ علیہ السلام کے بیان میں بھی اس کی صراحت موجود ہے بلکہ اس جیسی بات ہماری شریعت میں بھی جائز ہے جب کہ قطعی طور پر معلوم ہوجائے کہ وہ کافر پیدا ہوا ہے جیسا صاحب شریعت علیہ السلام نے اس حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے، پس ایسی صورت میں اس لڑکے کے مسلمان ہونے کی بات غلط ہے کیونکہ کسی مسلمان کو بغیر وجہ کے قتل کرنا ایسی صورت میں بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا پھر ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ علم لدنی، بغیر وسیلے واسطے کے آیا ہوا علم ہے اور اس کا مشرب، مقررہ طریقوں سے ہٹ کر ہے اس لئے ہم اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوں گے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ

کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ خضر (علیہ السلام) کا نام خضر اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ خشک زمین پر بیٹھتے تو وہ آپ کے پیچھے سے سبزہ زار ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ (بخاری)

374/6916 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: داؤد علیہ السلام پر زبور کا پڑھنا آسان کر دیا گیا[1] اور وہ اپنی سواری کے بارے میں حکم دیتے تو اس پر زین کس دی جاتی آپ کی سواری پر زین کس دی جانے سے پہلے آپ زبور کو پڑھ لیتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ کی محنت کے سوانہیں کھاتے تھے۔ (بخاری)

طریقت میں شریعت اور حقیقت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جو شخص اس میں فرق کرتا ہے وہ مرتبہ جمع تک نہیں پہنچا ہے وہ زندیق و بے دین ہوگا۔ پھر یہ کہ یہ معاملہ دو چیزوں میں کسی ایک سے خالی نہیں۔ کیونکہ خضر علیہ السلام اگر نبی ہیں تو ان کا کام شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اور اگر وہ ولی ہیں تو اس جیسے بڑے قضیہ اور بڑے مسئلہ میں انہیں اپنے لدنی اور الہامی، غیبی علم پر اعتماد کرنا درست نہیں اور اس حدیث شریف میں خضر علیہ السلام کا لڑکے کو قتل کرنے کی حکمت کی صراحت ہے گویا اس میں ان کو قتل کرنے کا عذر بیان کیا گیا ہے برخلاف آیت کریمہ کے اس میں اس جانب اشارہ ملتا ہے۔

1 **خفف علی داؤد القرآن** (حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کا پڑھنا ہلکا کر دیا گیا) علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن سے مراد زبور ہے اس کو قرآن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کو پڑھنا داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے طی مکان کی طرح طئی زمان بھی کر دیتا ہے (وقت اور زمین کو سمیٹ دیتا ہے) اور یہ ایک ایسا عنوان ہے جو فیض ربانی کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ میں کہتا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر خرق عادت ہے اس میں اختلاف یہ ہے کہ یہ بسط زمان ہے یا طی لسان ہے اور پہلی صورت زیادہ واضح ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے معراج کی شب طی مکان اور بسط

375/6917 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان دونوں کے ساتھ ان کے دو بچے تھے، بھیڑیا آیا اور دونوں میں سے ایک کے بچے کو لے گے تو اسکی ساتھی عورت بولی وہ تو تیرے بچے کو لے گیا ہے اور دوسری بولی وہ تیرے بچے کو لے گیا ہے تو وہ دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئے تو داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا[1]، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئے اور آپ کو اسکی خبر دیئے تو آپ نے فرمایا میرے پاس چھری لاؤ میں اس کو

زمان سننے اور بولنے کی مناسبت سے کامل طور پر تھوڑے سے وقت میں کرا دیا اور آپ کی اتباع کرنے والے صالحین کو بھی اس شان مبارک کا ایک حصہ ملا ہے جیسا کہ مروی ہے: سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سواری کا ارادہ فرماتے تو قرآن مجید کی مخارج وصفات کا خیال کرتے ہوئے اور معانی و مفاہیم کو سمجھتے ہوئے تلاوت شروع کرتے اور جب اپنا قدم دوسرے رکاب میں رکھتے تو درمیانی وقفہ میں قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہ السامی اپنی کتاب نفحات الانس فی حضرات اصحاب القدس میں بعض مشائخ کرام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ حجر اسود کے استلام کے وقت قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے آنے تک قرآن مجید کو ختم کر دیتے تھے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے صاحبزادے نے اپنے والد کریم سے اتنے سے وقفہ میں ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف شروع سے آخر تک سنا ہے اللہ تعالیٰ ان کی باطن کی پاکیزگی میں برکت دے اور ان کے انوار کی برکت سے ہم کو نفع پہنچائے۔ (مرقات)

1 **قولہ فقضی بہ للکبری** (آپ نے اس کا فیصلہ بڑی کے حق میں دیا) یہ فیصلہ آپ نے اس لئے دیا کہ شرعی قاعدہ ہے قبضہ جس کا ہوتا ہے وہی اس کا زیادہ حق دار ہوتا ہے یا علم قیافہ کے اعتبار سے وہ لڑکا اس عورت سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا جیسا کہ اس کے متعلق امام شافعی نے فرمایا اور اس کا اعتبار ہے۔ (مرقات)

چیر کر تم دونوں کے درمیان تقسیم کردوں گا۔ تو چھوٹی بولی آپ ایسا مت کیجئے اللہ آپ پر رحم کرے یہ اس بڑی کا بچہ ہے تب آپ نے اس کا چھوٹی کے حق میں فیصلہ دیا[1]۔ (بخاری ومسلم)

376/6918 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج کی رات نود (٩٠) بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ اورایک روایت میں ایک سو ہے ان میں سے ہر ایک شہسوار[2] پیدا کرے گی جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا۔ تو فرشتہ نے ان سے کہا آپ ان شاء اللہ کہہ دیجئے تو آپ یہ نہ کہہ سکے اور بھول گئے، چنانچہ آپ ان سب کے پاس چکر لگائے تو ان میں سے کوئی بھی حاملہ نہیں ہوئی سوائے ایک بیوی کے

---

1 **قولہ فقضی بہ للصغری** (آپ نے اس کا فیصلہ چھوٹی کے حق میں دیا) ایک شارح نے کہا ہے کہ دونوں کا فیصلہ حق ہے کیونکہ دونوں مجتہدین ہیں اور اس مسئلہ میں دونوں کے فیصلہ کی بنیاد قرینہ ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس قرینہ کی بناء پر فیصلہ دیا وہ ظاہری طور پر زیادہ قوی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد محترم حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو کس طرح توڑا تو اس کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے منجملہ ان کے ایک وجہ یہ ہے کہ دونوں کے پاس اولویت کا اعتبار کرتے ہوئے قوی تر قرینہ موجود تھا۔ اور اگر بڑی کا یہ اقرار ہو کہ وہ بچہ چھوٹی کا ہے تو بہر حال کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ ہماری شریعت میں بھی فیصلہ کے بعد بھی اقرار درست ہے۔ جس طرح اگر وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے وہ فیصلہ کے بعد اقرار کرے کہ حق، فریق مخالف کا ہی ہے تو درست ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے) (مرقات)

2 **قولہ تاتی بفارس یجاھد فی سبیل اللہ** (وہ ایک ایک شہسوار کو پیدا کرے گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا) یہ اچھی نیت ہے مگر اس میں انشاء اللہ نہیں کہا گیا ہے قولہ فلم یقل (ان شاء اللہ نہیں فرمایا) دل میں جو (اللہ کی مشئیت کے مطابق کرنے کا ارادہ ہے) اسی پر اکتفا کیا، اس کو زبان سے نہیں فرمایا۔ **قولہ لو قال ان شاء**

جو آدھا بچہ جنی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو وہ سب شہسوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ۔ (بخاری و مسلم)

377/6919 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے[1] ۔ (مسلم)

378/6920 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں[2]

اللہ لجاھدوا (اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو وہ مجاہدین پیدا ہوتے) حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو شخص کوئی کام کرنا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا تو مستحب ہے اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہے۔ اس سے اس کام میں برکت بھلائی اور آسانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ .** (تم کسی کام کو کل کروں گا کہو تو ان شاء اللہ کہو) (مرقات)

1 **قولہ کان زکریا نجارا** (حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے) اس حدیث شریف سے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق سابق حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب کرنا (معیشت کے لئے محنت کرنا) انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اور یہ ترک اسباب کرکے توکل کرنے کے منافی نہیں ہے، جیسا بعض انبیاء علیہم السلام اور اولیاء واصفیاء کی ایک جماعت نے کیا ہے، ان دونوں میں افضل کیا ہے اس میں علماء کرام کے پاس اختلاف ہے اس کی تحقیق کتاب احیاء العلوم میں موجود ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ انا اولی الناس بعیسی بن مریم** (میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے تمام انسانوں میں زیادہ قریب ہوں) علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب اسلئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی (**یاتی من بعدی اسمہ احمد**) یعنی آپ نے بشارت سنائی تھی کہ میرے بعد خاتم المرسلین جن کا نام نامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے تشریف لائیں گے) چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سید المرسلین ہی ہیں اور آپ

عیسیٰ بن مریم سے دنیا[1] وآخرت میں سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں، حضرات انبیاء[2] علیہم السلام علاتی بھائی ہیں اوران کی مائیں الگ الگ ہیں اوران کا دین ایک ہے ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں ہیں ۔ (بخاری ومسلم)

379/6921 ﴿ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہرانسان جب وہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اپنی دوانگلیوں سے اس کے

دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں ہیں ۔اس میں اوراللہ تعالیٰ کے ارشادان **اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی** (**حضرت ابراھیم** علیہ السلام سے زیادہ قریب ان کی اتباع کرنے والے ہیں اور یہ نبی ہیں)ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قرب باعتبار اقتداء وموافقت کے ہے اورسیدناعیسیٰ علیہ السلام سے قرب باعتبار زمانہ ہے ۔(مرقات)

1 **قولہ فی الاولیٰ والآخرۃ** (پہلے اورآخر میں)ہوسکتا ہے اس سے مراد دنیاوآخرت مراد ہویا پہلی حالت اور دوسری حالت دونوں صورتیں مراد ہوسکتے ہیں پہلی حالت یعنی جب آپ نے سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری سنائی اوردوسری حالت سے مراد جب آپ (دوبارہ آکر) دین کی مدد کریں گے اوراس کوطاقت عطا کریں گے ۔(مرقات)

2 **الانبیاء اخوۃ من علات وامھاتھم شتی** (حضرت انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں اوران کی مائیں علیحدہ علیحدہ ہیں)علماء نے کہا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد مخلوق کی ہدایت کرنا ان کوراہ حق دکھانا ہے اسی لئے دین کے اصول اورقواعد کووالد سے تشبیہ دی گئی ہے اوران کی شریعتوں کوجو بظاہر الگ الگ ہیں اورمقصد میں قریب قریب ہیں ماؤوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قولہ دینھم واحد (ان کا دین ایک ہے)یعنی ان کی شریعتیں الگ الگ ہونے تک کے باوجودان کے دین کی بنیادتوحید وطاعت ایک ہی ہے۔میرے لئے سب قریب ہیں مگرعیسیٰ علیہ السلام زیادہ قریب ہیں ۔(لمعات)

دونوں پہلو میں ٹھونسا مارتا ہے[1] سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ ٹھونسا مارنے گیا تو وہ پردے میں ٹھونسا مارا۔ (بخاری ومسلم)

380/6922 حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا: مرد حضرات میں تو بہت لوگ کامل ہوئے اور عورتوں میں کامل نہیں[2] ہوئے

---

1 **قولہ یطعن الشیطان** (شیطان ٹھونسا مارتا ہے) یعنی شیطان چھوتا ہے، **وقولہ فی جنبیہ باصبعیہ** (دونوں بازوؤں میں دوانگلیوں سے چھوتا ہے) یعنی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے چھونا مراد ہے۔ قولہ غیر عیسیٰ (عیسیٰ علیہ السلام کے سوا) یہ ان کی والدہ کے حق میں وادی کی دعا کی وجہ سے ہے انہوں نے کہا تھا میں نے ان کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ **قولہ فطعن فی الحجاب** (پس وہ پردہ میں ٹھونسا مارا) یعنی اس کی انگلی بچہ دانی کو جس میں بچہ ہوتا ہے لگی اس کے چھونے سے عیسیٰ علیہ السلام کو کچھ اثر نہیں ہوا۔ (مرقات)

2 **قولہ ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران وآسیۃ** (عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئیں) علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ان کمال کو ان دونوں خواتین میں حصر کرنے کی وجہ سے استدلال کیا گیا وہ دونوں نبی ہیں کیونکہ انسانوں میں سب سے بڑھ کر کامل انبیاء علیہم السلام ہیں پھر صدیقین، شہداء اور اولیاء کرام ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ نبی نہیں ہیں تو اس حصر سے یہ ثابت ہوگا کہ ان دونوں کے سوا عورتوں میں کوئی ولیہ، صدیقہ اور شہیدہ نہیں ہے اور علامہ کرمانی نے فرمایا لفظ کمال سے ان کا نبی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ لفظ کمال کسی چیز کے پورا پورا ہونے اور اس میں اپنی انتہاء کو پہنچنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں ان دونوں کا کمال کو پہنچنے سے عورتوں کے لئے جو فضائل ہیں ان کی انتہاء کو پہنچنا مراد ہے۔ میں کہتا ہوں اس توجیہ سے اشکال دور نہیں ہوتا، یعنی نبوت کا ثبوت لازم نہیں آتا، ایسی صورت میں کمال سے نبوت لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کے کمال کے لئے ولایت کے درجہ تک پہنچنا کافی ہے۔

سوائے مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے اور عائشہ کی فضیلت[1] تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے

ان دو بزرگ خواتین کا بطور حصر ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ صفت کمال کی ان دونوں کے ساتھ ان کے زمانہ کی عورتوں کے درمیان میں ہے اور ان سے پہلے زمانہ کی عورتوں میں بھی یا مطلق کسی زمانہ کی عورت ہو کوئی بھی صفت کمال میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہے اور علماء سے اجماع منقول ہے کہ عورتوں میں نبوت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا** (اور ہم نے آپ سے پہلے مرد حضرات کے سوا کسی کو رسول نہیں بنایا) لیکن امام اشعری سے منقول ہے حضرات حواء، سارہ، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ، بی بی ہاجرہ، آسیہ اور بی بی مریم نبی ہیں۔ اور یہ قول اس وقت درست ہو سکتا ہے جب نبی اور رسول میں فرق ہو۔ اور علامہ ابن الملک نے کتاب الشرح المشارق میں اس اعتراض کے جواب میں فرمایا: ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کے کمال کو حاصل کرنا کمال کی اہلیت والے کے لئے ہی ہوتا ہے اور عورتوں کے لئے منصب نبوت کی اہلیت نہیں کیونکہ منصب نبوت عورتوں کے لئے مناسب ہی نہیں ہے، نبوت کی بنیاد ظہور اور دعوت پر ہے اور عورتوں کی حالت تو پردے میں رہنے کی ہے، عورتوں کے حق میں کمال کے معنی نبوت کے نہیں ہو سکتے بلکہ عورتوں کے حق میں کمال کے معنی صدیقیت کے ہیں اور اس کا درجہ نبوت کے بعد ہے، اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ جواب اس وقت مکمل ہو سکتا ہے جب کہ نبی اور رسول مترادف یعنی ہم معنی ہوں اور اگر دونوں میں فرق کریں جیسا کہ جمہور علماء فرق کرتے ہیں کہ رسول تبلیغ پر مامور ہیں برخلاف نبی کے اس لئے نبی کے لئے عدم تستر یعنی پردہ نہ کرنا لازم نہیں ہے جب کہ ستر یعنی پردہ میں رہنا رسالت کے بھی منافی نہیں ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے) (مرقات)

1 **قولہ فضل عائشة علی النساء.** (حضرت عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر) یعنی جنس عورت پر جس میں دنیا کی تمام عورتیں داخل ہیں یا ان عورتوں پر ہے جن کا پہلے ذکر آیا ہے یا جنت کی عورتوں پر یا آپ کے زمانہ کی عورتوں پر یا اس امت کی عورتوں پر یا ازواج مطہرات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہ کا لفظ (بی بی) آسیہ پر عطف نہیں کیا گیا بلکہ ان کی فضیلت کے لئے مستقل جملہ لایا گیا ہے۔ یہ اس امر کو بتانے کے لئے ہے کہ حضرت عائشہ کو اپنے فضائل میں دیگر خواتین پر امتیاز حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ثرید کی[1] فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔ (بخاری ومسلم)

کا ارشاد **حبب الی من الدنیا ثلاث - الطیب والنساء وجعل قرۃ عینی فی الصلوۃ** میں بھی یہی اسلوب ہے دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب کردی گئیں خوشبو، عورتیں اور میری آنکھ کی ٹھنڈک صلوٰۃ میں ہے (صلوٰۃ کے امتیاز کو بتانے کے لئے اس کا ذکر مستقل جملہ میں کیا گیا ہے) (مرقات)

1 **قولہ کفضل الثرید علی سائر الطعام** (جیسے ثرید کو سارے کھانوں پر فضیلت ہے) علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثرید کی مثال اس لئے بیان فرمائی ہے کہ ثرید عرب کے سارے کھانوں میں افضل ہوتا ہے وہ سیر شکمی کے لئے اس سے بڑھ کر کسی کھانے کو نہیں سمجھتے۔ اور یہ کہا گیا کہ عرب حضرات ثرید کو گوشت میں پکائے جانے کی وجہ سے اس کی تعریف کرتے ہیں، کیونکہ روایت میں ہے گوشت کھانوں کا سردار ہے گویا جس طرح گوشت سارے کھانوں پر فضیلت ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسی طرح تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے اس میں سر لطیفہ یہ ہے کہ جب ثرید گوشت کے ساتھ پکایا جاتا ہے تو اس میں غذائیت ہے، لذت ہے اور قوت ہے، کھانے میں آسانی ہے۔ چبانے میں مشقت کم ہے، حلق سے تیزی سے اتر جاتا ہے، تو اسکی مثال جو دی گئی یہ بتانے کے لئے ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسی طرح حسن صورت، حسن سیرت، شیریں گفتار، فصیح زبان، عمدہ طبیعت، فکر اور عقل کی پختگی اور خاوند کے پاس محبوب ہونا جیسی صفات سے سرفراز کی گئی ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ وہ ان کی زوجیت اختیار کی جائے ان سے گفتگو کی جائے ان سے انسیت حاصل کی جائے اور ان کی بات کو کان لگا کر سنا جائے، اور ان کی فضیلت کے لئے تمہارے لئے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی تمام باتوں کو سمجھا اور یاد رکھا ہے جس کو دوسری عورتیں نہیں سمجھ سکیں اور اس قدر روایتیں بیان کیں کہ مرد حضرات سے اس کے مثل روایتیں نہیں ہیں۔

اور سیدہ عائشہ، سیدہ خدیجہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھن اجمعین کے درمیان فضیلت سے متعلق تمام علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ علامہ اکمل نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ تمام عالمین کی عورتوں میں

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں کے برابر ہونے کا احتمال ہے کیونکہ پہلی خاتون یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اہل معرفت سوابق میں سے ہیں اور دوسری خاتون حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اہل فضیلت لواحق میں سے ہیں۔ (مرقات)

اور علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، بالاجماع سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں ان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (مرقات)

الحمد للہ زجاجۃ المصابیح کی چوتھی جلد اور اس کے حاشیہ کا ترجمہ مکمل ہوا اس کے بعد جلد پنجم شروع ہوگی ان شاء اللہ اور اس کی ابتداء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ والتابعین لہم باحسان الی یوم الدین اجمعین کے فضائل سے ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقه وآله وصحبه ومحبیه ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین اجمعین.

تاریخ ۷؍ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ م ۴؍ اپریل ۲۰۰۹ء شنبہ بعد نماز مغرب

Index of /images/books

- Parent Directory
- Noorul Masabih v.1/
- Noorul Masabih v.10/
- Noorul Masabih v.11/
- Noorul Masabih v.12/
- Noorul Masabih v.13/
- Noorul Masabih v.14/
- Noorul Masabih v.15/
- Noorul Masabih v.16/
- Noorul Masabih v.17/
- Noorul Masabih v.18/
- Noorul Masabih v.19/
- Noorul Masabih v.2/
- Noorul Masabih v.20/
- Noorul Masabih v.3/
- Noorul Masabih v.4/
- Noorul Masabih v.5/
- Noorul Masabih v.6/
- Noorul Masabih v.7/
- Noorul Masabih v.8/
- Noorul Masabih v.9/
- Zujajah v1/
- Zujajah v2/
- Zujajah v3/
- Zujajah v4/
- Zujajah v5/

Index of /images/books/Noorul Masabih

Parent Directory
41_1.jpg
41_10.jpg
41_11.jpg
41_12.jpg
41_13.jpg
41_14.jpg
41_15.jpg
41_16.jpg
41_17.jpg
41_18.jpg
41_19.jpg
41_2.jpg
41_20.jpg
41_21.jpg
41_22.jpg
41_23.jpg
41_24.jpg
41_25.jpg
41_26.jpg
41_27.jpg
41_28.jpg
41_29.jpg
41_3.jpg
41_30.jpg
41_31.jpg
41_32.jpg
41_33.jpg
41_34.jpg
41_35.jpg
41_36.jpg
41_37.jpg
41_38.jpg
41_39.jpg
41_4.jpg
41_40.jpg
41_41.jpg
41_42.jpg
41_43.jpg
41_44.jpg
41_45.jpg
41_46.jpg
41_47.jpg
41_48.jpg
41_49.jpg
41_5.jpg
41_50.jpg
41_51.jpg

41_52.jpg
41_53.jpg
41_54.jpg
41_55.jpg
41_6.jpg
41_7.jpg
41_8.jpg
41_9.jpg

ı v.17